پہلی کرن

طرفہ قریشی
بھنڈاروی

پہلی کرن

ادارۂ حیات الادب کی اوّلین پیشکش

بار اوّل ——— تعداد ——— ایک ہزار

قیمت

مجلّد ۲ دو روپے آٹھ آنے ⁘ غیر مجلّد ۲ دو روپے

جون سنہ ۱۹۵۲ء

مطبوعہ علوی برقی پریس بھوپال

کاتب : سیّد ضیاء الدین خوشنویس۔ بھوپال

ملنے کے پتے

(۱) ش۔ ج مہتمم مکتبۂ حیات الادب
معصوم شاہ کا تکیہ مومن پورہ ناگپور ۲ ایم۔ پی

---

(۲) مکتبۂ "پرچم" پرچم اسٹریٹ
حسن علی آفندی روڈ۔ کراچی ۱ پاکستان

---

(۳) مکتبۂ رحیمیہ مومن پورہ ناگپور ۲ ایم۔ پی

---

(۴) مکتبۂ قصر الادب پوسٹ بکس ۵۲۶۴
بمبئی ۸

---

(۵) ادارۂ اشاعت اردو محمد علی روڈ ناگپور ۲
ایم۔ پی

---

(۶) مکتبۂ شان ہند۔ دہلی

(۷) مرکزِ ادب
اندرونِ بدھوارہ بھوپال

---

(۸) مکتبۂ "معیارِ ادب"
میل وشارم شمالی آرکاٹ ڈسٹرکٹ
(علاقۂ مدراس)

---

(۹) مکتبۂ "ہادی" دیوبند۔ یو۔ پی

---

(۱۰) ناظم بزمِ سخن ابراہیم پورہ۔ بھوپال

---

(۱۱) مکتبۂ "احسن" جوالانگر رامپور۔ یو۔ پی

---

(۱۲) منیجر یوسف ہوٹل بھوپال

ترتیب

غزلیات

آندھیوں سے میں نے پائی قوتِ پروازِ شوق
لائے ہیں اُٹھ کر بگولے بال و پر میرے لئے

(طرفہ)

طرفہ قریشی بھنڈاروی
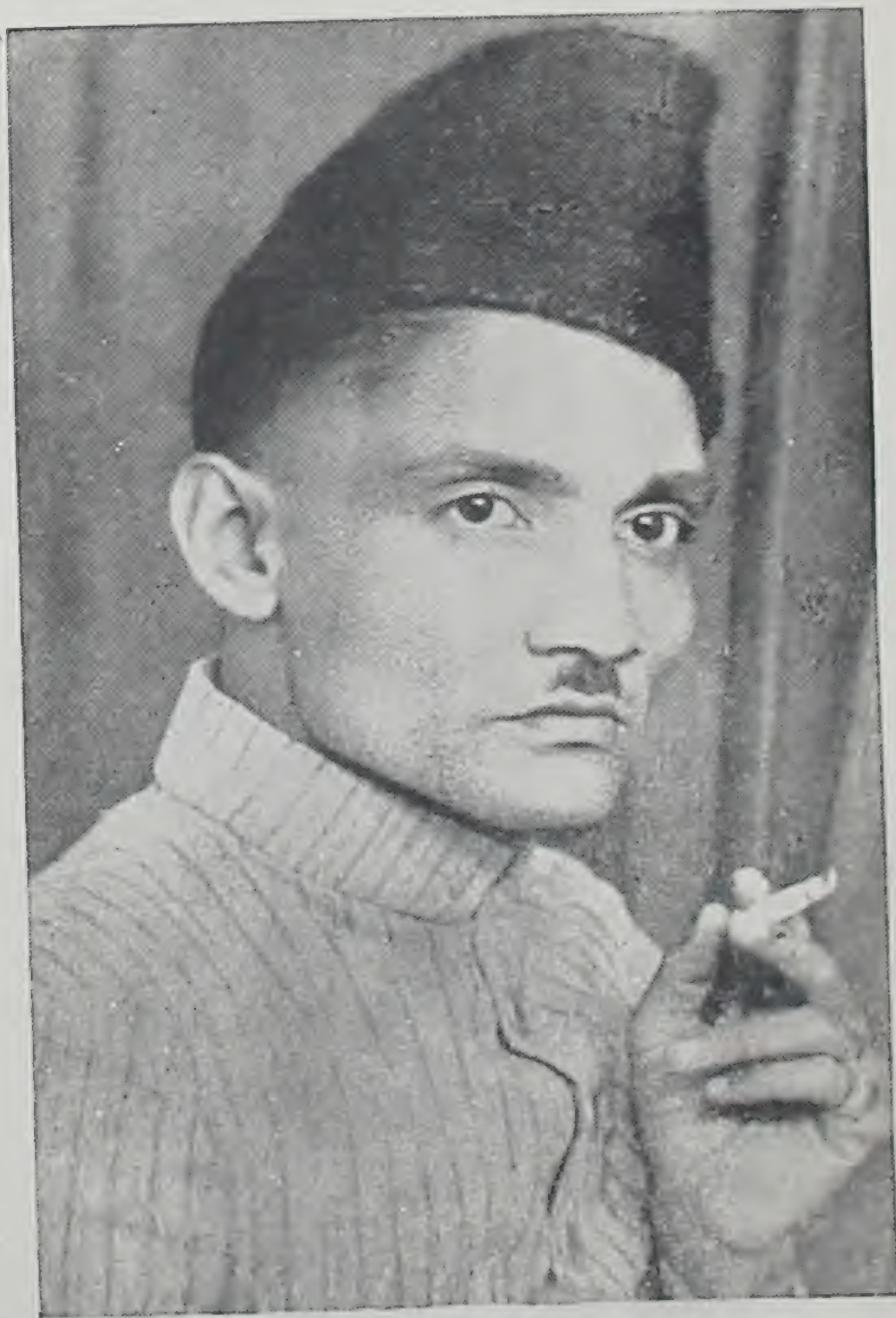
شکایت و شکر

"پہلی کرن" میرا پہلا مجموعۂ کلام ہے اور شاید آخری بھی۔ جس کی طباعت کے لئے میں نے نہ صرف اپنا مکان فروخت کر دیا ہے بلکہ بعض احباب کے مالی اور اخلاقی احسانات کا ایک بڑا بوجھ بھی اپنے سر پر رکھ لیا ہے۔ ایسا بوجھ جسے شاید میں اپنی ساری عمر میں بھی نہ اُتار سکوں۔ اُردو ادب و شعر کے حق میں بعض لوگ میرے اس فعل کو ایثار و قربانی سے تعبیر کریں گے اور بعض اوّل درجہ کی حماقت سمجھیں گے ——— خیر! دُنیا چاہے اب کچھ بھی سمجھتی رہے ——— مستقبل کا مورّخ مجھے یاد رکھے یا فراموش کر دے، ایک خبط تھا، ایک جُنون تھا جس کی تکمیل ہو چکی۔

زمانہ "اُردو زندہ باد" اور "اُردو ادب پائندہ باد" کے نعرے لگاتا رہے اُردو زندہ رہیگی اور جب تک مجھ جیسے "گھر پھونک تماشا دیکھنے والے" ادیب و شاعر دُنیا میں موجود ہیں، اُردو ادب پھُولتا پھلتا ہی رہے گا۔

"ادب برائے ادب" کا دَور مدّت ہوئی ختم ہو چکا "ادب برائے زندگی" کی صدائے بازگشت سماعت کو گُدگُدا رہی ہے۔ لیکن مجھے اس سے بھی اتّفاق نہیں ہے ——— میرے اپنے تجربے کا اقتضا یہ ہے کہ ادب کو "برائے زندگی" نہیں بلکہ زندگی کو "برائے ادب" کہا جائے ——— اور یہ اس لئے کہ ادیب و شاعر کی پوری زندگی ادب کے لئے وقف ہو جاتی ہے اور وہ اس خبطِ ناگزیر میں اپنی نیندیں اپنی صحت اپنا سکون حتّٰی کہ آبا و اجداد کا پس انداز سرمایہ تک کھو بیٹھتا ہے ——— ادب سے شاعر اور ادیب کی زندگی کو توانائی نہیں ملتی بلکہ شاعر اور ادیب کی

زندگی سے ادب کو تقویت نصیب ہوتی ہے۔

اُردو ادب کو زندہ و پائندہ دیکھنے والوں کی آج بھی کمی نہیں۔ مشرق سے لیکر مغرب تک اور جنوب سے لیکر شمال تک آج بھی اُس کی ہم آہنگی کے مظاہرے ہو رہے ہیں ــــــ بڑی بڑی کانفرنسیں اور عظیم الشان مشاعرے ترتیب دیئے جا رہے ہیں ــــ ہزاروں ژروں کے بجٹ تیار ہو رہے ہیں۔ ان میں اصراف بھی ہیں اور اسراف بھی۔ لیکن آہ شاعر ــ آہ ادیب ــ بیچارے کی جیب میں ایک پوسٹ کارڈ کی قیمت تک نہیں۔ اس کی بربادی اور زبوں حالی انتہا کو پہنچ چکی ہے ؎

ادب نوازانِ دہر طرفہ کریں ادیبوں پہ بھی نوازش
ادیب زندہ اگر رہیں گے ادب کو بھی زندگی ملے گی

ادب کی زندگی کا انحصار ادیب اور شاعر کی زندگی پر ہے ــــ ادب کی شگفتگی کا دارومدار ادیب و شاعر کی مسکراہٹوں پر ہے۔ ضرورت ہے کہ پہلے ان کی موجودہ زندگی کا جائزہ لیا جائے۔ اُن کے دلوں کی شگفتگی اور ان کی طبیعتوں کی جولانی کو برقرار رکھنے کے لئے اُن کی زندگی کے معاشی اور اقتصادی پہلوؤں کو اس طرح کُریدا جائے کہ اُن میں سے آنسو کے بجائے دودھ اور لہو کے بجائے شہد کے چشمے پھُوٹ نکلیں ــــ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ ایک دن یہی شاعر اور ادیب فطری طور پر اپنی ادبی و شعری زندگی سے مکدر ہو جائیں گے۔ اور اُردو ادب ہمیشہ کے لئے سینکڑوں اچھے فنکاروں کو کھو بیٹھے گا

اشتہار ــــ "پہلی کرن" کی ترتیب و تدوین جُونہی ختم ہوئی، اخبارات و رسائل میں اس کی طباعت کا اعلان شائع کر دیا گیا۔ اشتہار کی اشاعت کے سلسلے میں جن مدیرانِ رسائل نے مجھ سے ہمدردی کا اظہار فرمایا اور اپنی فراخدلی کا ثبوت دیا میں اُن کا دل سے

ممنون ہوں ـــــ اور اُن مدیرانِ اخبار کو بھی میرے محسنین ہی میں سمجھئے جنھوں نے میری خانماں بربادی اور بے سروسامانی کا پورا علم رکھتے ہوئے بھی اشاعتِ اشتہار کے سلسلے میں مجھ سے اُجرت طلب کی ـــــ اور انھیں بھی، جو ہنوز اُجرت پر ہی اشتہار شائع کر رہے ہیں ـــــ کیسے کیسے تجربے ہوتے گئے۔

کتابت وطباعت ـــــ "پہلی کرن" کی کتابت بھوپال کے مشہور خوشنویس جناب سید ضیاء الدین صاحب کی مرہونِ منت ہے۔ اور طباعت کی چمک دمک علوی برقی پریس بھوپال کے مالک و مہتمم جناب اختر حسین صاحب صدیقی اور جناب فہیم الدین صاحب فورمین مطبع کی عرق ریزیوں کا نتیجہ ـــــ جن کی ادائے محبوبانہ نے اوّل اوّل تو مجھے مایوسی کی حد تک پہنچا دیا تھا۔ لیکن بعد میں کچھ اس انداز کے ساتھ ملتفت ہوئے کہ مجھے اُن کی توجہ اور محبت کا گیت گانا ہی پڑا ـــــ اور یہ نتیجہ ہے حضرتِ وکیل بھوپالی، حضرتِ شفا گوالیاری حضرتِ عزیز گوالیاری اور حضرتِ عشرت قادری بھوپالی کی بارسوخ شخصیتوں، پُرخلوص طبیعتوں اور انتھک کوششوں کا۔ جن کی پلکوں کے سائے ہمہ وقت میرے آرام وسکون کا باعث بنے رہے۔

جنابِ عشرت قادری اور اُن کے برادرِ معظم محترمی سید فرید احمد صاحب قادری نے میرے آرام و مہمان نوازی کے سلسلہ میں جو ایثار فرمایا ہے وہ ایک نقشِ کالحجر کا مرتبہ رکھتا ہے۔ نیز اُن کے برادرِ اصغر سید حبیب احمد قادری سلّمہ، نے جس عقیدت کے ساتھ میری خدمت کی ہے وہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے، جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اُن کے اس جذبۂ ایثار و خلوص کے جواب میں لفظی و رسمی شکریہ ادا کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی نادان ہیرے کو

کوڑیوں کے مول خریدنے کی مضحکہ خیز جرأت کرے۔

برادرم عزیز گوالیاری، عزیزی قیصر بھوپالی، اور محترمی حضرتِ مہتاب ناظمِ بزمِ سخن بھوپال کا بے لوث و بے پایاں خلوص مجھے ہمیشہ یاد آتا رہے گا۔

محترمی حضرتِ حامد سعید خاں حامد بھوپالی، حضرتِ باسط بھوپالی، حضرتِ کوثر چاندپوری، حضرتِ سائل گوالیاری، حضرتِ باسط اُجینی، حضرتِ صہبا قریشی، جناب پنڈت جنیش صاحب پربھاکر اور رشید صاحب فاروقی بی۔اے کی طرفہ نوازیاں، حضرتِ شاہد بھوپالی، حضرتِ عمران انصاری، جنابِ ارشد صدیقی ساگری بی اے، جنابِ ناز جنابِ تاج، جنابِ مقصود عرفان، جنابِ شوکت رموزی، جنابِ سعید، جنابِ کلیم سرونجوی جنابِ نغمی اور اُن کے ساتھیوں کے جذبۂ خلوص کو کبھی نہیں بھُلایا جا سکتا۔ حضرتِ شعری بھوپالی ایک مشاعرے کے سلسلے میں کراچی تشریف لے گئے تھے بایں وجہ اُن سے ملاقی نہ ہونے کا افسوس رہا۔ خیر! "یار زندہ صحبت باقی"

حضرتِ شفا گوالیاری کے تلامذہ میں عزیزی ذوقی بھوپالی، مقبول گوالیاری، تصور گوالیاری، شرر بھوپالی، قمر بھوپالی، اثر بھوپالی، خاموش بھوپالی اور جنابِ ابوالکاہل قرشی بھوپالی کی محبت، عقیدت اور سعادتمندیوں کا میں معترف ہوں۔ حضرتِ شفا نے اپنے تلامذہ کی تربیت کی بنیاد جن اصولوں پر رکھی ہے وہ دوسروں کے لئے قابلِ تقلید ہے اور اُن طالبانِ علم و فن میں اپنے بزرگوں کی عزت، احترام اور خدمت کا جو جذبہ پایا جاتا ہے وہ قابلِ ہزار ستائش۔

حضرتِ مولانا معراج دھولپوری بی۔اے کے علمی تبحر، فنّی ولسانی تفحّص، اور محققانہ شخصیت کا اعتراف و اقرار میرے اپنے ایمان کی پختگی کا موجب ہوگا ــــــــــــ
فی الواقع یہ میری خوش نصیبی تھی کہ میں جس زمانے میں بھوپال آیا مولانا ممدوح بھی بھوپال ہی میں تھے۔ نیز جب تک میں بھوپال میں مقیم رہا وہ نفس نفس پر میرے ساتھ رہے۔ اور اُن کی اس رفاقت سے مجھے بہت کچھ فائدہ پہنچا۔ جس کے لئے میں اُن کا دل سے رہینِ منّت ہوں۔

ــــــــــــ

ناگپور کے احباب میں جن دوستوں اور عزیزوں نے "پہلی کرن" کی ترتیب و تدوین میں میرا ہاتھ بٹایا ہے۔ اُن میں میرے مکرّم دوست عبدالعزیز انصاری، برادرم حمید آذر، عزیزی شارق جمال، مولانا غفّار شمیم، مجتبیٰ کامل بہزادی، اور برادرِ صغیر میاں عبدالجلیل قریشی کا میں بیحد ممنون ہوں۔ عزیزِ مکرّم عبدالعزیز انصاری، میاں عبدالجلیل اور عزیزی شارق جمال نے تو نفس نفس پر میری ہمت بڑھائی ہے اور قدم قدم پر میری بازو تھامی ہیں۔ بڑی احسان فراموشی ہوگی اگر میں جنابِ پاگل انصاری کو یاد نہ کروں کہ انھوں نے اس معاملے میں پتھر میں سے دودھ نکالا ہے۔

ــــــــــــ

معذرت ــــ "پہلی کرن" کی ترتیب، تدوین، طباعت اور دیگر امورِ ضروری کی تکمیل میں جن بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں نے اپنا قیمتی وقت صرف کیا ہے اور جنھوں نے پورے خلوص و محبت کے ساتھ میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ میں نے انھیں اس پیش لفظ میں فرداً فرداً یاد کرنے کی امکانی کوشش کی ہے۔ پھر بھی بھول چوک انسان کا خاصہ ہے۔ اگر کسی بزرگ اور عزیز کا نام رہ گیا ہو تو وہ مجھے بربنائے خلوص معاف فرمادیں۔

ــــــــــــ

کتابِ زیرِ نظر کے مسودّے کی ترتیب انھیں ابواب پر مشتمل تھی کہ جن کا ذکر برادرِ معظّم ابوالفاضل حضرتِ رازؔ چاندپوری نے اپنے گرانقدر مقدّمے میں فرمایا ہے۔ لیکن صفحات کی قلّت اور دقتی چند مجبوریوں کے پیشِ نظر اس ترتیب کو قائم نہیں رکھا جا سکا نیز "اساسِ کہن" کو حذف کر دینا پڑا۔ جس کے لئے میں قارئینِ کرام نیز برادرِ معظّم سے معذرت خواہ ہوں۔

شاعری زبان وفن کی روحِ لطیف ہے اور زبان وفن کے معاملے میں کوئی ایماندار آدمی اپنے کامل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا ——— بالخصوص فنِ شعر گوئی کے معاملے میں جو شخص بھی اپنی ذات کو بے عیب اور اپنے آپ کو اکملیت کا دعویٰ دار بتلائے وہ لسان، مُنہ زور اور ٹرّا ہے ——— نقائص ومعائب مجسّمۂ بشریت کے وہ عناصر ہیں جن کے بغیر کمالِ بشریت کا پہنچنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر اگر میرے مجموعۂ کلام میں بھی اسقام نظر آئیں تو کوئی حیرت اور ذلّت کی بات نہیں ہے۔ بلند نظر حضرات محاسن پر نظر رکھتے ہیں، معائب پر نہیں ——— تاہم پُر خلوص مشورے ہمہ وقت قابلِ پزیرائی سمجھے جائیں گے۔

"پہلی کرن" کی کتابت وطباعت اور جلد بندی وغیرہ کی تکمیل بہت قلیل عرصے میں ہوئی ہے اس لئے خلافِ توقع بعض غلطیاں ظہور میں آگئی ہیں۔ دوسرے ایڈیشن میں ان غلطیوں کو دور کر دیا جائیگا۔ انشاءاللہ۔

طرفہ قریشی

ہمدردیاں

—— (۱) ——

ازکاشانہ "کامٹی" سی۔پی
۱۴ر مارچ ۱۹۵۲ء

مُخلصی السّلام علیکم

آپ لکھتے ہیں کہ مکان بیچ کر دیوان طبع کرانے کا اہتمام کر رہا ہوں۔ عزیزی! شاعری ایسی ہی مبارک چیز ہے۔ بوڑھے ظفر نے اگر اس کے ہاتھوں سلطنت کھوئی، تو ہم نے بھی "جاگیر" نذر کر دی۔ اب بغل میں بیاض کا بستہ رہ گیا ہے۔ اللہ اللہ خیر سلّا۔

مخلص غازی

(عکّاسِ فطرت علامہ نواب غازی آف گیوردھا اسٹیٹ سی۔پی)

—— (۲) ——

نیاپورہ۔ مالیگانوں (ناسک)

محترم بھیّا! آداب

آپ اپنی "چھپری" بیچ کر اپنا مجموعۂ کلام کتابی صورت میں پیش کرنا چاہتے ہیں!۔

لوگ اسے خبط اور حماقت سے تعبیر کریں گے، لیکن میں کہوں گا اور بلا خوفِ تردید کہوں گا کہ یہ خدمتِ ادب ہی نہیں بلکہ اُردو زبان وادب پر عظیم ترین احسان ہے۔ جس کی مثال واقعی تاریخِ ادب کو "من وعن" کھنگال ڈالنے کے بعد بھی کہیں نہیں ملتی۔ ایسی ہستیاں قابلِ مبارکباد ہی نہیں بلکہ ہر اہلِ ادب کے لئے قابلِ صد احترام ہیں۔

لیکن بھیّا! میرے قابلِ صد احترام بھیّا!! ایسا کیوں کر رہے ہیں آپ اور اپنی رہائش کی "چھپری" کو کیوں نیلام کر رہے ہیں؟؟ —— کیا آپ کے کوئی اولاد نہیں یا محبّتِ پدری کا فقدان ہے آپ کے یہاں ——؟

جانتا ہوں یہ سب کچھ مقامی احباب کی ناقدری اور پورے مُلک و قوم کی ناقدری سے بیزار ہو کر آپ یہ کام کر رہے ہیں۔ لیکن اتنی عجلت سے کام لینے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کو چند ایسے محسنینِ ادب کو ہموار کرنا تھا جو "بطور قرض" آپ کی مالی اعانت کر سکتے۔ کیا ناگپور اور کامٹی میں ایسا کوئی نظر نہیں آتا؟؟۔ ضرور ہوں گے لیکن شاید آپ کی طبعِ غیور نے اسے بھی گوارا نہ کیا۔

والسلام مع الاکرام

احقر عتیق انجمی مالیگانوی

۱۳ مارچ ۱۹۵۲ء

عشرت قادری بھوپالی

شارق جمال ناگپوری

مصطفٰے خاں شاھد ناگپوری

انتساب

میں اپنے آفتابِ فکر کی "پہلی کرن" کو اپنے قلب کی زرین اُمنگوں کے ساتھ مخلصی عشرت قادری بھوپالی، عزیزی شارق جمال ناگپوری اور محبی مصطفےٰ خاں شاہد ناگپوری کے نام سے معنون کرتا ہوں۔ جن کی بے لوث محبت اور بے پایاں خلوص نے ہمیشہ کے لئے مجھے اپنا لیا ہے۔

طرفہ قریشی

بھنڈاردی

یکم جون سنہ ۱۹۵۲ء

هُوَ الْمُتَكَلِّم

پہلی کرن

مقدّمہ

(از ابو الفضل حضرتِ رازؔ چاندپوری)

بنامِ شاہدِ نازک خیالاں ۔

ابو المختار عبد الوحید طرفہ قریشی بھنڈاروی "سی پی" کا وہ دُرِ گراں بہا ہے جس کی آب و تاب اہلِ نظر سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہے اور ایک زمانہ اُس کی خوش تابی کا معترف ہے ۔

طرفہ ۳ مارچ ۱۹۱۳ء کو کتمِ عدم سے عالمِ وجود میں آیا ۔ وہ بھنڈارہ (سی ۔ پی) کے ایک معزز و ممتاز خاندان کا چشم و چراغ ہے ۔ وہ کسی مستند مدر

یا جامعہ کا سند یافتہ تو نہیں، لیکن رسمی اور ضروری تعلیم سے بہرہ ور ہے۔ اُردو اُس کی مادری زبان ہے۔ اُردو کے علاوہ فارسی اور ہندی میں بھی وہ کافی دستگاہ رکھتا ہے۔ درس وتدریس اُس کا ذریعۂ معاش ہے اور شعر گوئی دلچسپ مشغلہ۔ ایک مدت سے وہ ناگپور میں مقیم ہے اور ایک اسکول میں فرائض ادب طرازی بحسن وخوبی انجام دے رہا ہے۔

ہر فطری شاعر کی طرح طرفہ کو بھی اوائلِ سنِ شعور سے شعر وسخن سے دلچسپی تھی۔ اُس کی شعر گوئی کی ابتدا ۱۹۳۳ء میں ہوئی اور مولانا انور کامٹوی سے شرفِ تلمذ حاصل کرکے وہ بزمِ سخن میں دادِ خوش نوائی دینے لگا۔ مولانا انور ایک کہنہ مشق و باخبر سخنور ہیں۔ لیکن اکثر اساتذہ کی طرح اُن کی شہرت مقامی حدود تک محدود ہے۔ اس کا خاص سبب یہ ہے کہ ممالکِ متوسط (سی۔پی) میں نشرواشاعتِ ادب کے ذرائع مفقود ہیں۔ یہاں نہ کوئی قابلِ لحاظ پریس ہے، نہ ادارۂ اشاعت۔ نہ علمی ادبی رسائل ہیں، نہ اخبار۔ مولانا انور سے چند سال استفادہ کرنے کے بعد طرفہ مولانا سیماب اکبر آبادی مرحوم کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوگیا اور ۱۹۴۵ء میں مولانا سیماب نے اُس کو فارغ الاصلاح قرار دیدیا۔ اب یہ بادہ گسارِ میخانۂ شعروسخن خود پیرِ میفروش بن گیا ہے اور متعدد رندانِ باصفا اس کے حلقۂ نائے ونوش میں شامل ہیں۔

شعروسخن سے طرفہ کی دلچسپی محویت کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ اس کا

کلام اکثر رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ الوآرٹ بمبئی کے ادارہ میں بھی وہ اعزازی طور پر شامل ہے۔ "طورِ رخشاں" کے نام سے متعدد مختلف شعرا کا کلام مرتب کر کے شائع کر چکا ہے۔ اُس کی جولانیِ طبع کا یہ عالم ہے کہ وہ غزل، نظم، رباعی، ہر صنفِ سخن میں دادِ نکتہ سنجی دیتا ہے اور اکثر کامیاب ہوتا ہے۔ وہ فنِ شعر سے بھی واقف ہے اور تاریخ گوئی میں بھی اس کو خاص ملکہ حاصل ہے۔ گذشتہ چند سال میں وہ ترقی پسند تحریک سے بھی متاثر ہوا ہے۔

مقدمہ نگاری کی غرض و غایت صرف یہ ہوتی ہے کہ قارئین کو کتاب کے مطالعہ سے پورے طور پر مستفید ہونے کے لئے تیار کیا جائے اور میرے خیال میں یہ مقصد حاصل کرنے کے واسطے کتاب کے محاسنِ معنوی کے متعلق چند اشارے کافی ہو سکتے ہیں۔

طرفہ نے اپنے مجموعۂ کلام کا نام "پہلی کرن" رکھا ہے۔ اگر کسی کتاب کے نام سے اُس کی معنوی حیثیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے تو میں بے تکلف یہ کہنے کی جرأت کروں گا کہ پہلی کرن اسمِ بامسمّٰی ہے۔ اِس میں اُس جدّت وشدّت کے آثار جلوہ گر ہیں جو مہرِ نیم روز کی شعاعوں کا خاصہ ہوتے ہیں۔

پہلی کرن کی ترتیب میں قدامت و جدّت دونوں دوش بدوش

نظر آتی ہیں۔ یہ تین ابواب پر مشتمل ہے :۔ (۱) نظمیں (۲) غزلیں اور (۳) رباعیاں
بابِ غزل کے دو حصے ہیں، (۱) تعمیرِ نو اور (۲) اساسِ کہن۔ دونوں حصوں کی
ترتیب قدیم روش پر ردیف وار ہے اور قریب قریب ہر ردیف میں غزلیں
کہی گئی ہیں۔

طرفہ کے توسنِ فکر کی خاص جولاں گاہ میدانِ غزل ہے۔ موجودہ
زمانے میں غزل صرف "سخن بازناں گفتن" کے لئے مخصوص نہیں، بلکہ
حسن و محبت کے ساتھ حکمت و موعظت، معاشرت و معیشت، حتیٰ کہ سیاست
بھی اُس کے دائرۂ نطق میں داخل ہے۔ غزل کی یہی فطری صلاحیت اُس کی
دلکشی و زندگی کی ضامن ہے۔ اگر غزل میں اس قدر رواداری اور
وسعتِ قلب نہ ہوتی تو اس جدت نواز دور میں اُس کا زندہ رہنا دشوار تھا۔
اہلِ نظر واقف ہیں کہ بعض ترقی پسند نظم نگارانِ اُردو نے غزل کی مخالفت
کس شدّ و مد سے کی اور اُس کو اصنافِ سخن سے خارج کر دینے کے لئے
کتنا زورِ فکر و خیال صرف کیا، لیکن "زندہ باد غزل! پائندہ باد غزل!"
کہ وہ آج پہلے سے زیادہ مقبولِ خاص و عام ہے اور اب اُس کے مخالف
بھی اُس کی اہمیت و ضرورت کے قائل ہو گئے ہیں۔ درحقیقت غزل کا ایجاز و
اختصار ایک معجزۂ فطرت سے کم نہیں۔ مشاہدہ و تجربہ شاہد ہے کہ بعض اوقات
غزل کا ایک شعر بڑی سے بڑی اور اچھی سے اچھی نظم پر بھاری ہوتا ہے۔

جزئیات کے بیان کے واسطے نظم کا دامن بہت وسیع ہے، مگر غزل کے اشارات وکنایات کی معنویت ودلکشی سے کون کافرِ ادب انکار کرسکتا ہے؟

طرفہ کی طبع موزوں کو غزل سے خاص مناسبت ہے، لیکن ایک حسّاس شاعر، عصری تقاضوں سے غیر متاثر نہیں رہ سکتا۔ اس مجموعے میں چھبّیس ۲۶ نظمیں ہیں اور وہ تمام "حالی" ہیں اور جدید افکار وخیالات کی حامل۔ طرفہ کی شاعری کے متعلق مشہور مفتی کا فتویٰ ہے کہ:

"طرفہ بہت گہری نظر سے کام لیتا ہے اور ایک حسّی شاعر ہونے کی حیثیت سے ماحول کی بدلی ہوئی قدروں کا اثر اُس کے دل ودماغ پر بہت گہرا ہے۔.........

فنّی محدودیت میں رہ کر بھی وہ زندگی کے نئے تقاضوں سے بیگانہ نہیں حالانکہ اُسے ابھی تک ترقّی پسندی سے بظاہر کوئی لگاؤ نظر نہیں آتا، تاہم کوئی تعجب نہیں اگر مستقبلِ قریب میں وہ اپنا رنگ قطعی طور سے بدل لے ــــــ"

(مجلّہ 'سیماب' دہلی، جنوری ۱۹۵۲ء)

میں اس فتوے کی تائید وتصدیق کے بعد صرف اس قدر اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ طرفہ کی نظموں اور غزلوں میں بظاہر کم، مگر بباطن وہ سب کچھ موجود ہے جو ترقّی پسندی کی روحِ رواں کہا جاسکتا ہے۔

اگر طرفہ نے اس نکتے کو مدِ نظر رکھا کہ وہ پہلے "شاعر" ہے اور بعد ازاں "کچھ اور" تو اُس کے لئے نظم گوئی کا میدان بھی بہت وسیع ثابت ہو گا۔ ورنہ بھونچال جیسی نظمیں صرف اُس کی ترقی پسندی کی آئینہ دار ہوں گی اور بس۔

طرفہ کی غزلوں میں قدیم و جدید رنگوں کا خوش گوار امتزاج نظر آتا ہے۔ روایاتِ غزل کی پابندی کے ساتھ جدید افکار و خیالات جا بجا دعوتِ غور و فکر دیتے ہیں۔ حسنِ تخئیل و لطفِ محاکات کی بھی کمی نہیں۔ اندازِ بیاں میں شیرینی و حلاوت بھی ہے اور سنجیدگی و متانت بھی۔ شعر کی قدر و قیمت کا انحصار زیادہ تر طرزِ بیاں پر ہوتا ہے اور طرزِ بیاں کی لطافت وَہبی ہوتی ہے۔ کلامِ طرفہ میں جدّتِ افکار و نُدرتِ اظہار دونوں پہلو بہ پہلو صف آرا نظر آتے ہیں اور نگاہِ حُسن جو و نکتہ نواز کے لئے اُن میں بہت کچھ سامانِ دلکشی موجود ہے۔

شاید قارئینِ کرام منتظر ہوں گے کہ عام روش کے مطابق میں بھی طرفہ کے بعض اشعار کی لفظی و معنوی تشریح کر کے دادِ نکتہ سنجی دوں گا یا معاصرین کے کلام سے کلامِ طرفہ کا مقابلہ و موازنہ کر کے اُس کی برتری ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن مجھے بغیر اظہارِ افسوس، بے تکلف کہہ دینا چاہیئے کہ میں ان روایاتِ دیرینہ کا احترام تو کرتا ہوں، مگر اُن کی تقلید کا قائل نہیں۔ علاوہ ازیں "شعر دل کے انتخاب" سے اپنے "دل کا معاملہ" کُھل جانے کا اندیشہ بھی ہے اور "رُسوا" ہونے کا

خوف بھی۔ میں سرِ دست اِن خطرات کا مقابلہ کرنے کے واسطے تیار نہیں ہو سکتا۔ مجھے قارئینِ کرام کی خوش ذوقی و سخن فہمی پر پورا اعتماد ہے کہ اُن کی نگاہِ حق بیں "پہلی کرن" کے جلوہ ہائے نو بہ نو کی داد کما حقہٗ دے سکے گی۔

راز چاندپوری
جبل پور

۳۰ مارچ ۱۹۵۲ء

تقریظ

(عکاسِ فطرت حضرتِ علّامہ نواب غازیؔ مدظلہٗ)

نوید از نقیبانِ محفل رسید   جوانے سراید کلامِ جدید
کلامے کہ طرفہ کلیمش بُوَد   بہ شعر و سخن طاق، نامش وحید
زباں دانِ ذی فہم، روشن دماغ   خیالش رسا، برق طبعِ سعید
دبیرے کہ بابِ معانی کشود   قلم در کفش علم و فن را کلید
صریرش درِ فضل غازیؔ زند
الٰہی دہادش کمالِ مزید

(مخلص غازیؔ)

تجزیہ

(حضرتِ حمیداللہ خاں آذر ناگپوری [illegible])

اُردو ادب کے ادوار کبھی اچھے فنکاروں سے خالی نہیں رہے۔
اسے اُردو کی اُٹھان اور اہالیٔ زبان کی خوش بختی کہیئے۔ پھولنے اور پھلنے والوں کے آثار ہی مستقبل کی منادی کرتے ہیں۔ یہ ایک عام حقیقت ہے کہ ہر ترقی پانے والی شئے رفتہ رفتہ کمال پیدا کر لیتی ہے، اور اپنا لوہا منوا کر رہتی ہے۔
اگر زبانِ اُردو کے ارتقاء سے ماہرینِ السنہ کافی متاثر ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں، ابھی تو ادبِ اُردو کی معراج باقی ہے، جس کی پیشگوئی عصرِ حاضر کے ادباء اور شعراء کی عرق ریزی و کاوش بہ بانگِ دُہل کر رہی ہے۔ موجودہ ادبِ اُردو اپنی معراج کی پہلی منزل میں ہے۔ اور یہ نتیجہ ہے زندۂ جاوید اربابِ ادب کے افکار و رشحاتِ قلم کا۔ ایسے قلمکار موجودہ زمانے میں چند ہیں اور طرفہ صاحب کا شمار اُنھیں گنے چنے افراد میں ہوتا ہے۔ ہند و پاک کے ادبی حلقے طرفہ صاحب سے بخوبی واقف ہیں۔ ایسا کوئی معیاری رسالہ نہیں جس میں اُن کی نظمیں اور غزلیں شائع نہ ہوتی ہوں۔ اُنھیں کم و کاست پندرہ سال سے ملک گیر شہرت حاصل ہو چکی ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میں ایک عرصے سے متمنی تھا کہ طرفہ صاحب کے متعلق اپنی خیالات قلمبند کروں لیکن چند وجوہ کی بنا پر قاصر رہا حُسنِ اتفاق سے وہ ارادہ تجزیئے کی صورت میں اب تکمیل پا رہا ہے۔ مجھے اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر دیکھ کر حیرت بھی ہو رہی ہے اور خوشی بھی۔ میری یہ کیفیت جو وجہِ حیرت اور باعثِ خوشی ہے، مجھے ایک ایسے عالمِ تفکّر و تصوّر سے دوچار کئے ہوئے ہے جس کے داخلی اثرات و محرکات الفاظ و معانی کی قید میں نہیں لائے جاسکتے اُنھیں صرف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اور اندازہ لگانے کے لئے مندرجۂ ذیل اشعار کافی ہیں ؎

جمالِ ابتدا بن کر جلالِ انتہا ہو کر بشر دنیا میں آیا مظہرِ شانِ خدا ہو کر
مری درماندگی پر کیوں نہ دنیا رشک فرمائے کہ اپنے پاؤں توڑے ہیں ذی منزل آشنا ہو کر
مری ذوقِ فنا کا ماحصل اتنا تو ہو یا رب! زمیں کا چاند بن جاؤں کسی کا نقشِ پا ہو کر
اجازت دو کہ ہم بھی دو گھڑی حیرت کشی کرلیں تمہارے آئینہ خانے میں تصویرِ وفا ہو کر
فرشتے کیوں قدم اپنے بڑھاتے جانبِ دُنیا ہمیں آنا تھا، ہم آئے مشیّت کی ادا ہو کر

ان شعروں میں تفکّر کے ساتھ ساتھ جدّت آفرینی اور ترقی پسندی بھی پائی جاتی ہے۔ جو شاعر کی شخصیت اور مقام کو اُجاگر کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ آخری تین شعر تو شاہکار کہے جاسکتے ہیں۔ بیشتر کلام اسی نوع کا ہے۔

بالاستیعاب مطالعے کے بعد اور اشعار بھی منتخب ہو سکتے ہیں اور انھیں سرمایۂ ادب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ؎

میں تغیرِ بزمِ حیات ہوں مری ہر نوا میں گداز ہو
اُٹھے میرے دل سے وہ غم کی لَے جو وداعِ پردۂ ساز ہو

نہ اُٹھائی میری طرف نظر نہ بنے حریفِ مذاقِ دل
مری اصلیت سے جو باخبر یہ جہانِ شعبدہ باز ہو

یہ زمیں کی پستیٔ غم نشاں، یہ فلک کا اوجِ ضرر رساں
مجھے وہ جہان بتا جہاں، نہ نشیب ہو نہ فراز ہو

نہیں ہے فیاضِ حُسن اتنا کہ بے ضرورت کسی کو دے کچھ
الم بقدرِ الم ملے گا خوشی بقدرِ خوشی ملے گی

زندگی لاکھ سہی مثلِ شعاعِ خورشید　　آدمی قطرۂ شبنم کے سوا کچھ بھی نہیں

یہ کس کے گرم نالوں کا اثر لے کر بہار آئی　　پگھل کر پھول کی رعنائی شبنم ہوتی جاتی ہے

ستارے مسکراتے ہیں مرے حالِ پریشاں پر　　بڑی اونچائی سے مجھ کو صدا دیتی ہے رسوائی

اب جبینِ شوق کو سجدوں سے فرصت ہوگئی	دل جہاں جھکتا ہے آخر وہ مقام آ ہی گیا
ڈھلتے ڈھلتے نور کی سانچے میں فطرت ڈھل گئی	آتے آتے دردِ دل انساں کی کام آ ہی گیا

جو بات سمجھ سے باہر تھی وہ بات سمجھ میں آکے رہی
تو علم و یقیں کی دنیا میں تغلیط کُنِ اوہام ملا

جلوۂ حق ہے صفاتِ بشریت کی دلیل	اُس کو بندہ نہ کہو جس کو خدا مل جائے

اُس سے دنیا نے زندگی مانگی	جس کو تیری نگاہ نے مارا

کچھ ایسے اشعار بھی ہیں جو ہمیں دعوتِ غور و فکر دیتے ہیں۔ ہم جس قدر سوچتے ہیں سوچتے ہی چلے جاتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ چند ساعت تک متواتر جاری رہتا ہے۔ اسے شاعر کی دقّت پسندی اور عمقِ فکر کا نتیجہ کہنا چاہئے۔

فردوسِ بریں، لوح و قلم، ارض و سمٰوات	سب میری تبسّم کی ہیں ہر گونہ کمالات
اُس بندۂ اللہ کو بندہ نہ کہو تم	دنیا میں رہیں مُشک فشاں جس کی مسامات

شمع جل بجھ کے ہوئی پھر سرِ محفل روشن	واہ رے گرمیِ خاکسترِ پروانۂ دل

تجھ سے غرض ہے تیری حضوری سے کام ہے　　　کونین میرے سامنے آئے تو کیا کروں

عرفاں کے دریچے ایسے کھلے ہر پردہ اُٹھا ہر جہل مٹا
ہر سو نظر آئے جلوے ترے ہر سمت نیا پیغام ملا

چونک بھی اے نگاہِ خام شعور　　　"نور ہی نور ہے کہاں کا ظہور"
اُڑ نہ جائے مذاقِ غیب و حضور　　　اتنے نزدیک، اور اتنے دور!!
دیدِ موسیٰ کو آتشِ ایمن　　　ہر نفس ہے ہمارا شعلۂ طور
اب وہ ساعت بھی آئی جاتی ہے　　　آپ ناظر بنیں گے ہم منظور

جمالِ ابتدا بن کر جلالِ انتہا ہو کر　　　بشر دُنیا میں آیا مظہرِ شانِ خدا ہو کر

خدا ہے نام دراصل انتہائے خودشناسی کا
خودی ناآشنا بندہ خدا سے باخبر کیوں ہو

یہ وہ اشعار ہیں جو صوفیانہ طبیعت کی آئینہ داری کرتے ہیں۔ جنھیں سُن کر صوفیائے کرام کو حال اور صاحبِ دل بزرگوں کو وجد آجاتا ہے۔

ایسے شعروں کی "پہلی کرن" میں کمی نہیں ہے۔ میں نے اختصار وایجاز
ملحوظ رکھ کر تھوڑے سے اشعار چن لئے ہیں۔ اربابِ ذوق ظرفہ صاحب
کی تصوّف پسند طبیعت کا اندازہ لگانا چاہیں تو مطلعے کے ذریعہ سینکڑوں
اشعار انتخاب فرما سکتے ہیں۔ اور روح کی سیری و دل کی تازگی کا اچھا ذخیرہ
مہیا ہو سکتا ہے۔

چند اشعار بطورِ نمونہ نقل ہیں جن میں صحیح رنگِ تغزّل کی ضیا باری،
انتخابِ الفاظ و محاورات، رکھ رکھاؤ، تشبیہہ اور استعارے، جدّتِ تخیّل
مناسبات، سبک و لطیف فقروں کا برمحل استعمال اور وہ سب کچھ موجود ہے
جو جدید و ترقی پسند ادب کی روح رواں ہے ۔

ہر نفس کو عشق کا کلمہ پڑھانا ہی پڑا
ہم کو تیرے حُسن پر ایمان لانا ہی پڑا

تری جناب میں جو ذرّہ باریاب ہوا
بلند ہو گیا اتنا کہ آفتاب ہوا

چلو طواف کریں کوئے یار کا ظرفہ
دُعا قبول ہوئی نالہ مستجاب ہوا

اجازت دو کہ ہم بھی دو گھڑی حیرت کشی کر لیں
تمہارے آئنہ خانے میں تصویر وفا ہو کر

ذکرِ غم پر وہ تبسم بھی نہ فرماتے تو پھر
سُن کے پتھر کی طرح خاموش رہ جاتے تو پھر!

وہ تو اچھا ہی ہوا شب کو بندھا اشکوں کا تار　　اور یہی تارے اگر دن کو نظر آتے تو پھر!
آپ نے اچھی کہی محفل سے اُٹھ جانے کی بات　　ہم خدا نا خواستہ بیٹھے ہی رہ جاتے تو پھر!
ہر قدم پر تا بہ منزل اک فریبِ ناتمام!　　رہروانِ عشق رستے سے بھٹک جاتے تو پھر!

شکوۂ تیرگیٔ بخت کروں اب کس سے　　وہ نظر لوٹ گئی دیکھ کے کاشانۂ دل

نکھرے ہوئے شباب کا ہنستا ہوا جمال　　رہ رہ کر اپنے پاس بلائے تو کیا کروں
آواز دور کی ہو تو سمجھوں کہ ہے فریب　　کوئی قریب آ کے بلائے تو کیا کروں

زہے وہ آنکھ، ترے غم میں جس نے پھول اُگلے　　خوشا وہ دل، کہ جو تیری نظر سے کھیل چکا

ترے ہاتھوں مرے دل کی تباہی، اے زہے قسمت
مگر یہ رنج ہے تیری خوشی کا سلسلہ ٹوٹا

جسے اپنے لئے ہم نے اُٹھا رکھا ہے مدت سے　　محبت کا وہ اک سجدہ تمہارے پاؤں پر کیوں ہو؟

ستارو! دیکھتے کیا ہو، پئے تسکیں اُتر آؤ　　کوئی آزردہ ہو کر اُٹھ رہا ہے اُن کی محفل سے

جدید دَورِ تغزّل قدیم زمانۂ غزل گوئی سے بالکل مختلف ہے۔ رنگِ قدیم کے دلدادہ حضرات عصرِ حاضر کی پیشکش کو بادلِ ناخواستہ پسند کرتے ہیں۔ چونکہ وہ گذشتہ طرزِ غزل اور لوازماتِ تغزّل سے شغف رکھتے ہیں، اس لئے اُنھیں موجودہ رنگِ تغزّل کی چیزیں نامانوس معلوم ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں نے جو اشعار انتخاب کر کے پیش کئے ہیں اُن میں کافی گنجائش اور جامعیت ہے اور اُنھیں قدیم و جدید رنگ کے ماننے والے یقیناً پسند کریں گے۔ طرفہ صاحب کے کلام کا بیشتر وکثیر حصّہ اُن الفاظ، تشبیہات و استعارات پر مبنی ہے جو کسی طرح بھی اختلافی نہیں۔ یہ اُن کی قادر الکلامی اور متنوع اُپج کا نتیجۂ صالح ہے۔

ارتقائے شعر کا انحصار نہ صرف نرم و نازک، لطیف و نظیف اور پُرشکوہ الفاظ بلکہ بلندیٔ فکر، رفعتِ تخیّل، مضمون آفرینی، جدّت و ندرتِ بیان اور انوکھے طرزِ ادا پر بھی ہے۔ موخر الذّکر اجزائے خمسہ کا تعلّق قوّتِ متخیّلہ سے ہے۔ جو شاعر جس قدر دماغی کاوش کا عادی ہوگا وہ اُتنا ہی اچھا شعر کہہ سکیگا۔ اور اُس کے اشعار سے افادیت کا پہلو بیشتر نمایاں ہوتا ہوا معلوم ہوگا۔ اس قسم کے شعروں میں بلاغت زیادہ ہوتی ہے اور جہاں بلاغت ہوگی وہاں معنی آفرینی کا ہونا ضروری ہے۔ معانی آفرینی سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ایک مضمون یا ایک خیال میں کافی وسعت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور ہر شخص کو

اپنے طور پر اظہارِ خیال کا موقع مل جاتا ہے۔ اور شاعر کے مقام کو تعین کرنے میں سہولت ہو جاتی ہے۔ اگر تخیل ماورائے فہم و ادراک ہو گا تو شعر کے سمجھنے میں کافی دشواری ہو گی۔ یا ایسے شعر چیستان بن کر رہ جائیں گے اور دیوانے کی بکواس کہلائیں گے۔ وہی شعر کامیاب اور اچھا ہو سکتا ہے جو پوری طرح لوازماتِ شعری سے آراستہ و پیراستہ ہو۔ شعر میں کم سے کم نرم و نازک الفاظ اور رفعتِ تخیل قدرے جدّت و ندرت کے ساتھ ہونی چاہئے۔ اگر پوری ندرت و جدّت موجود ہو تو اس شعر کے کیا کہنے ——
اب ہم طرفہ صاحب کے وہ اشعار تحریر کرتے ہیں جنھیں پیش کردہ تعریف کی تائید حاصل ہے ؎

اہلِ خرد کریں گے ختم اپنا کام کب تک		ہاتھ آئے گا جنوں کی دل کا مقام کب تک
شبنم کی دل میں بھی ہے اک محشرِ تمنّا		خورشید کی کرن پر محوِ خرام کب تک

تھا ہر نفس پر اپنی ہی تخریب کا خیال		یعنی مآلِ گردشِ دوراں نظر میں تھا
پہلے پہل وہ اُن کی توجّہ وہ التفات		اک عالمِ حیات بداماں نظر میں تھا

کوئی خرد فریب، فریبِ ادب کے ساتھ
آکر جنوں کے پاؤں دبائے تو کیا کروں

کچھ ایسے اشعار بھی ہوتے ہیں جن کی صوری شکل نہایت سادہ ہوتی ہے، مگر اُن کی معنویت کو تسلیم کئے بغیر چھٹکارا ہی نہیں ملتا۔ ملاحظہ فرمائیے ؎

عشق و ہوس کا اے دل سودائے خام کبتک　　　نیرنگیٔ زمانہ کچھ اور چاہتی ہے
چلتا رہے گا یونہی لغزیدہ گام کبتک　　　اے رہروِ محبت منزل ہے دور تیری

جو تشنہ نہیں محفل میں تری اُس کو بھی چھلکتا جام ملا!　　　میخانۂ فطرت کے ساقی یہ ظرفِ ترا یہ فیاضی

ایک دن اپنے لہو میں خود نہانا ہی پڑا　　　دیکھتے تذلیل ہم انسانیت کی تا بکے

جو بھر آؤ تو آنسو پونچھ لینا دامنِ دل سے　　　نہ رونا پھوٹ کر اے غم کرچھالو شامِ تنہائی
مجھے آواز دیتی ہے یہ دنیا اپنی منزل سے　　　بتاؤ تو سہی اس کی طرف دیکھوں میں کس دل سے

ہمارے دل بھی تو ہیں پرستش گہِ جمالِ عروسِ فطرت
حرم میں شمعیں جلانے والو! انھیں بھی کیا روشنی ملے گی؟

ہماری حسرتوں کا سلسلہ پائندہ تر کیوں ہو
جو رونا ایک دن کا ہے وہ رونا عمر بھر کیوں ہو؟

جہاں تک پھیلتے جاتے ہیں سائے لالۂ و گُل کے
وہاں تک ڈھونڈتی ہیں بجلیاں میری نشیمن کو

ادب اور زندگی میں ایک رشتہ ہے، جس کے خدو خال شعر کی صورت میں منظرِ عام پر آتے رہتے ہیں۔ شاعر اپنی قلبی واردات، پنہاں جذبات، گہری چوٹ اور درد کی کسک کو کب تک اُجاگر نہیں کرے گا۔ کبھی نہ کبھی دل کی بات زبان پر آ ہی جاتی ہے۔ کلام میں انسانی زندگی کے نفسیاتی تنوع کے ساتھ الفاظ کا صحیح انتخاب اور زورِ بیان میں یکسانیت اور ہمواری بھی ہوتی ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو ایک شاعر کو معراجِ کمال کا درجہ عطا کرتی ہیں اور اُس سے ایسے شعر کہلواتی ہیں ؎

وفا کی قدر نہیں ہے وفا کا نام نہ لو — نہ لو مری دلِ غم آشنا کا نام نہ لو
خدا کے واسطے کالی گھٹا کا نام نہ لو — ابھی ابھی مری توبہ نے آنکھ کھولی ہے
کرو نہ موت کی باتیں قضا کا نام نہ لو — پکار و اُٹھ کے مری زندگیٔ رفتہ کو

بلا کر حریمِ توجہ میں اپنے کسی کو رُلانا بھی کوئی ادا ہے
محبت کو جب پاؤں چلنا سکھایا لگا ہوں کو بھی مُسکرانا سکھادو!

کہاں لالہ و گل، کہاں ماہ و انجم — تخیّل کی سب شعبدہ کاریاں ہیں

جنھیں اہلِ گلشن سمجھتے ہیں جگنو		مرے گلخنِ دل کی چنگاریاں ہیں

شمع کی لَو پہ پتنگوں کے پروں کا سایہ !!		ہے یہ اندھیر تو چھائے گا اندھیرا کہ نہیں؟

یہ بزم، یہ اجنبی سی محفل، نئی نئی صورتیں، نئے دل
یہاں کہے کوئی کس کو اپنا، یہاں نہیں ہے کوئی کسی کا

ان شعروں میں ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کا امتزاج ملتا ہے۔ اسلوبِ بیان اتنا زوردار ہے کہ ہر شعر پر بیساختہ واہ واہ اور آہ آہ نکل پڑتی ہے۔ بہت ہی کم سوچنے کا موقع ملتا ہے۔ مگر بِن سوچے اور بُوجھے حقیقی لطف سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے۔

اگر شاعر کی ہمّت، پاکیزگیٔ نیّت، خلوصِ طبیعت، جذبۂ عمل کا اندازہ و جائزہ مقصود ہے تو یہ شعر پڑھئے اور انگشت بدنداں رہ جائیے۔ یہ سب مشاہدے کی استواری اور تجربے کی پختگی کی کارفرمائیاں ہیں ؎

مشاطگیٔ حُسنِ عمل کے لئے ہر وقت		ہے اہلِ جہاں کے لئے آئینہ مری ذات
ہموار ہو ماحول تو پوری ہوں ارادے		شفّاف ہوں رُوحیں تو جِلا پائیں خیالات
گرمائیں گی تاثیر کی نبضوں کو نہ ہرگز		یخ بستہ خیالات یہ ٹھٹھری ہوئے جذبات

جی کھول کے ہولی کھیل چکی رنگین مزاجوں کی دُنیا
اب اپنی طبیعت کا بھی میں کچھ رنگ جمانے آیا ہوں

کیوں کام میں میری ہارج ہو، بس جاؤ اپنا کام کرو
تم کانٹے بچھاؤ رستے میں، میں پھول بچھانے آیا ہوں

جن اونچے اونچے نیزوں نے معصوم لبوں سے پھول چنے
اُن اونچے اونچے نیزوں کے پھل توڑ کے کھانے آیا ہوں

تجدید کی راہوں کو وسعت دینی ہے ادب کی دنیا میں
فرسودہ تغزّل کی طرفہ بنیادیں ڈھانے آیا ہوں

طرفہ صاحب کا دعویٰ صحیح ہے، اُن کے یہاں فرسودہ تغزّل کا نام ونشان بھی نہیں پایا جاتا۔ اور تمام تلامذہ بھی استاد کی من وعن پیروی کرتے ہیں۔ طرفہ صاحب اپنے اُستاد علّامہ سیماب اکبرآبادی کی طرح شعروادب کی پُرخلوص خدمت انجام دے رہے ہیں جس کا بیّن ثبوت اُن کا مجموعۂ کلام "پہلی کرن" ہے جو "گھر بیچ کر شائع کیا جارہا ہے"

زیرِ نظر مجموعے میں نظمیں بھی شریک ہیں "عالمِ نو" میں سراسر

تاریخی اشارات اور بھاری بھرکم الفاظ ہیں اور تسلسل و تواتر کا وہ عالم ہے کہ تحریر نہیں کیا جاسکتا۔ "مقصودِ نظر" ردیف بہ قافیہ، غزل نما نظم ہے جو حسن سلیقہ، مذاقِ متین، سچے تجربے، صحیح مشاہدے کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ اور اصول و پختہ کاری، یکرنگی و ترقی پسندی کا ستھرا نمونہ ہے۔ "نعرۂ جمہور" سے بلاغت ہی بلاغت ظاہر ہوتی ہے۔ اور تشبیہات و استعارات کی بھرمار ہے۔ "بھونچال"، "تجزیۂ احساس" نہایت آسان اور فصیح ہیں۔ "دوشیزۂ سیاست"، "آزادی ملنے کے بعد" میں عام خیالات اور احساسات کو سمویا گیا ہے جو قابلِ قدر سرمایۂ ادبِ جدید میں شمار ہونی چاہئیں۔

طرفہ صاحب کی شاعری میں خال خال روایتی عناصر بھی پائی جاتی ہیں مگر اُن کے کلام کا زیادہ حصہ جدید میلانات و رجحانات، جدت و اجتہاد، خوش الفاظی، انسانیت و زندگی، ندرتِ فکر، احتیاط اور اُپج پر مشتمل ہے۔ لہٰذا طرفہ صاحب کو کسی طرح بھی عصرِ حاضر کے شعرائے ارتقاء پسند کی جماعت سے علٰحدہ سمجھنا بعید از انصاف ہوگا۔

اب بھی طرفہ کی حقیقت سے ہے انکار تمہیں!
قطرہ کہتے تھے جسے ہو گیا دریا کہ نہیں!!

(طرفہ)

(از حضرت وکیل بھوپالی)

(۱)

پہلی کرن نہیں ہے، یہ ہے شرحِ سوزِ دل
مضرابِ شاعرانہ ہے سازِ حیات پر
ہر شعر میں ہے درسِ جنوں درسِ آگہی
دیوانِ طرفہ نور کی چادر ہے رات پر

(۲)

استعارے، مناسب بندشیں، شعروں کی یکتا ہیں
اچھوتا رنگ ہے طرفہ تری رنگِ تغزل کا
نگاہِ نیرِ اعظم سے لی "پہلی کرن" تو نے
بالفاظِ یقین ہمراز ہے تو عالمِ کل کا

(۳)

شعر و ادب کی اس میں درخشاں ہے زندگی
ہر ذرہ آفتاب اسی انجمن میں ہے
تشریحِ عشق، ظرفِ جنوں، مشعلِ خرد
تفسیر کائنات کی "پہلی کرن" میں ہے

بیاضِ کلامِ شاعرِ معجز بیان، طرفہ

۵۲ عیسوی ۱۹

مطلعِ کشاف ، طرفہ شاہکار
۷۱ ہجری ۱۳
دُرفشانِ مقطعِ سیماب تاج
۷۱ ہجری ۱۳
زینتِ قصرالادب ، قصرِ مہام
۷۱ ہجری ۱۳
ہمکلامِ طورِ معنی ، جامِ ذوق
۷۱ ہجری ۱۳
ماہتابِ شاعری ، صبحِ ارم
۷۱ ہجری ۱۳
پاک جاں ، شیریں بیاں ، شیریں کلام
۷۱ ہجری ۱۳
کیفِ شوق افزا ، مَے دو آتشہ
۷۱ ہجری ۱۳
مُشتری زندگی ، مقصودِ مُلک
۷۱ ہجری ۱۳
روحِ انسانی ، شفائے حُسن و عشق
۷۱ ہجری ۱۳

اخترِ برجِ فلک ، شانِ وطن
۵۲ عیسوی ۱۹
مہرِ انور[1] مشرقِ صبحِ سخن
۵۲ عیسوی ۱۹
چشمۂ نورِ چراغِ انجمن
۵۲ عیسوی ۱۹
ہمخرامِ تابشِ رنگِ چمن
۵۲ عیسوی ۱۹
مظہر الطاف ، شمعِ علم و فن
۵۲ عیسوی ۱۹
کعبۂ دل ، تابشِ رنگِ چمن
۵۲ عیسوی ۱۹
عکسِ آبِ غیرتِ گنگ و جمن
۵۲ عیسوی ۱۹
شعرِ نمکیں ، غازۂ بزمِ سخن
۵۲[2] عیسوی ۱۹
قشقۂ خرشید ہے "پہلی کرن"
۵۲ عیسوی ۱۹

رنگ افشانی شفا گوالیاری

۷۱ ہجری ۱۳

[1] مولانا انور کاشوی

[2] ہمزہ کا ایک عدد شمار میں لیا گیا ہے (شفاؔ)

(حضرتِ مولانا معراج بی۔ اے دھولپوری)

آفتابِ عالمِ حسنِ وقار	زینتِ ملکِ وفاں پہلی کرن
کائناتِ آرزوئے حسن دوست	حرزِ جانِ عاشقاں پہلی کرن
محرمِ راز و نیازِ حسن و عشق	واقفِ سرِّ نہاں پہلی کرن
شمعِ منزل، مشعلِ راہِ حیات	روحِ خضرِ گمرہاں پہلی کرن
خوش کلام و خوش پیام و خوش نظام	خوش ادا و خوش بیاں پہلی کرن
نیّرِ فردوسِ جنّت کی بشیر	ہم جلیسِ عرشیاں پہلی کرن
ایک نقشِ لاجوابِ سعیّ و فکر	ایک نطقِ بیکراں پہلی کرن
پیکرِ تخئیل کی روحِ رواں	جانِ فکرِ دُرفشاں پہلی کرن
درس آموزِ نکاتِ شاعری	نفع بخشِ طالباں پہلی کرن
برجبینِ لوحِ عالم جلوہ پاش	صورتِ مہرِ جہاں پہلی کرن
عکسِ انور[1] پرتوِ سیماب[2] تاج	کہکشاں در کہکشاں پہلی کرن
جلوہ زارِ جستجوئے طرفہ کار	با مُرادو کامراں پہلی کرن

حسنِ معراجِ نظر، معراجِ دل
کتبۂ خاور نشاں پہلی کرن

۱۹ عیسوی ۵۲

[1] انور الشعراء مولانا انور کاظمی [2] شاعر تاج علامہ سیماب اکبر آبادی

(حضرتِ شاطر حکیمی کامٹوی)

(۱)

شاعرِ خوش نگار کا دیوان
ایک مدت کے بعد چھپتا ہے
چشمِ اہلِ نظر کو اے شاطر
انتظارِ کلامِ طرفہ ہے

۱۹ عیسوی ۵۲

(۲)

ہر شعر ہے اک دفترِ اشعارِ جمیل
تحسین کا طالب ہے کلامِ طرفہ
یہ حسنِ معانی یہ شکوہِ الفاظ!
گلدستۂ غالب ہے کلامِ طرفہ

۱۹ عیسوی ۵۲

(از جناب منشی ابوالحسن صاحب ناسق فاروقی ناگپوری)

یہ ہے دیوان اک یکتائے فن کا
ہزاروں اس میں ہیں اسرارِ توحید
ہر اک مصرعے سے پیدا اک کرن ہے
کہو ناسق اسے "محرابِ خورشید"

۱۳۷۱ ہجری

(از جناب جمال الدین المعروف شارق جمال صاحب ناگپوری)

ہے یہ سی۔پی کا وہ تحفۂ بے بہا
جس کی تابش پہ حیراں عدن اور یمن
شارق اہلِ شعور اہلِ فن کے لئے
سِلکِ دُرِّ سخن ہے یہ "پہلی کرن"

۱۳۷۱ ہجری

آگرہ - ۱۷؍جنوری ۱۹۴۷ء

عزیزی طرفہ صاحب!

آپ کا یہ رنگ مجھے پسند ہے - اسی رنگ میں لکھئے - ترقی کی کوشش کیجئے - میں آپ کی ترقی و بلندیٔ فکر کے لئے دست بدعا ہوں - "شہتیر" تو بہت بوجھل چیز ہے - اس سے تخئیل کے دبنے اور کچلنے کا اندیشہ ہے -

دعاگو - سیماب اکبرآبادی

آگرہ - ۱۶؍مارچ ۱۹۴۷ء

عزیزی السلام علیکم

نواب غازی صاحب مع اپنے رفقاء کے کچھ دیر کے لئے آئے تھے - آپ کے کلام کی بہت تعریف کرتے تھے - مجھے بڑی مسرت ہوئی - جب آپ کا مجموعۂ کلام مرتب ہو جائے اور سب رائیں بھی اس میں نقل ہو جائیں تو مجھے بھیجد یجئے - میں نظرِ ثانی بھی کر لوں گا - اور اگر مناسب ہوا تو اپنی رائے[1] بھی کسی صفحہ پر ثبت کر دوں گا -

دعاگو - سیماب اکبرآبادی

[1] کاش ایسا ہوتا - (طرفہ)

تاثّرات

جُنوں پہ تنقید کرنے والے خِرد کی تنقیص کر نہ بیٹھیں
سنبھل سنبھل کر نظر اُٹھائیں سوال ہی غم کی زندگی کا!!

(طرفہ)

(۱)

جنابِ طرفہ قریشی وسطِ ہند کے ممتاز، خوش گو، خوش فکر شاعر ہیں۔ اور جو کچھ کہتے ہیں "کارآگہانہ" طریقے سے کہتے ہیں۔

(علامہ) نیاز فتحپوری

(۲)

جنابِ طرفہ کا کلام (ماہنامہ) "شاعر" کے صفحات پر مجھے کئی بار دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میں نے اُس کو جاذبِ دل و نظر پایا۔ اُردو شاعری اب ایسے دَور سے گزر رہی ہے جس میں عموماً شاعر اپنے کو ہر قید و بند سے آزاد سمجھنے لگا ہے۔ زمانے کے ساتھ ادب کے رنگ کو بدلنا لازمی ہے، لیکن تغیّر اس حد تک کہ شاعر کا مقصد ہی سمجھ میں نہ آئے کبھی پسند نہیں کیا جائے گا۔ جنابِ طرفہ قریشی کے کلام کا مطلب واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ اور نہ فقط سمجھ میں آتا ہے بلکہ اُس سے دل کو کیف و سرور کا احساس ہوتا ہے۔

(خان بہادر علامہ) رضا علی وحشت کلکتوی

(۳)

جنابِ طرفہ نوجوان شعراء میں کافی سلیقۂ شعری رکھتے ہیں۔ مجھ کو توقع ہے کہ مستقبل میں وہ اپنے لئے ایک اچھا مقام پیدا کر سکیں گے۔ اس دَور میں جبکہ کم نظری و سہل پسندی معیارِ فن کاری بن گئی ہے۔ کسی نوجوان شاعر کا صراطِ مستقیم پر گامزن رہنا سزاوارِ تحسین ہے۔ میری دُعا ہے کہ اُن کا مجموعۂ کلام قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے۔

(اعتبار الملک) دِل شاہجہانپوری

(۴)

عزیز مکرّم جناب طرفہ قریشی سلمہٗ بھنڈاردی (وسطِ ہند) کے مشہور شاعر اور حضرتِ مولانا سیماب اکبرآبادی مرحوم کے ممتاز شاگرد ہیں۔ وہ اس دَور کے خوش فکر

اور اچھے شاعر ہیں ۔ طرفہ کے کلام میں تقریباً وہ سب خوبیاں موجود ہیں، جو ایک اچھے شاعر کے کلام میں ہونا چاہئے ۔ انھوں نے کافی محنت اور دماغی کاوشوں سے کام لے کر ترقی کی منزلیں طے کی ہیں ۔ ان کا کلام بجا طور پر اس کا حق رکھتا ہے کہ اس کی قدر، اور صاحبِ کلام کی حوصلہ افزائی و قدردانی کی جائے ۔

(علامہ) محوی صدیقی لکھنوی غفرلہٗ

(۵)

جنوں پہ تنقید کرنے والے خرد کی تنقیص کر نہ بیٹھیں
سنبھل سنبھل کر نظر اٹھائیں سوال ہے غم کی زندگی کا!

جو شخص یہ شعر کہہ سکتا ہے، اس کے فکر و شعور کی صلاحیت سے کیوں کر انکار کیا جا سکتا ہے، حضرتِ طرفہ قریشی کو میں نے ان کے کلام میں اکثر دیکھا تھا، آج پہلی بار براہِ راست متعارف ہوا۔ درحقیقت ان کا کلام ان سے بہت زیادہ حسین، نازک اور کیف انگیز ہے، لیکن وہ بہر حال اس کے خالق ہیں اور کسی فن کار کی خوبصورتی اس کے کلام ہی میں تلاش کی جا سکتی ہے، اس لئے انھیں بھی "حسین" کہنا پڑیگا ۔

حضرتِ طرفہ صرف غزل ہی کے شاعر نہیں ہیں وہ کامیاب نظمیں بھی کہتے ہیں اور میں نے اب تک ان کی جس قدر نظمیں پڑھی ہیں، ان میں اکثر انسانیت کا درد ملتا ہے ۔ طرفہ زندگی، اور اس کے گرد و پیش کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں جب ہی ان کی نظموں میں افسردہ اور مضمحل زندگی کے آنسوؤں کی نمی پائی جاتی ہے، اس کے گرم سانسوں کی لپٹیں ملتی ہیں، ——— پہلی کرن حضرتِ طرفہ کا پہلا مجموعۂ کلام ہے اور یقیناً اسے اردو ادب میں ایک بیش بہا اضافہ کہا جا سکتا ہے، اگرچہ طرفہ "پہلی کرن" کی طباعت و اشاعت سے پہلے ہی ملک میں کافی متعارف ہو چکے ہیں ۔ تاہم یہ مجموعہ اب انھیں ایک فن کار کی حیثیت سے وہ مقام عطا کرے گا جس کے وہ مستحق ہیں ۔

(حضرت) کوثر چاندپوری

(۶)

"پہلی کرن" میں انسانیت کی موجودہ تلخ کامیوں کو رفع کرنے کا بہت کچھ سامان موجود ہے۔

(انورالشعرا مولانا) **انور کانٹوی**

(۷)

طرفہ قریشی کے کلام میں فن آور بختگی کا خوشگوار امتزاج نظر آتا ہے۔ سیماب اسکول کی وہ پوری نمائندگی کرتے ہیں۔ طرفہ نے کہیں کہیں سنگِ خارا سے آئینے بھی تراشے ہیں۔

(مولانا) **ماہر القادری**

(۸)

ہر دور میں کچھ ایسے ترقی یافتہ نفوس ہوتے ہیں جو خود اپنی بے توجہی یا زمانے کی بے التفاتی کی بدولت اُس حد تک متعارف نہیں ہوتے جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔ اُنھیں میں حضرتِ طرفہ بھی ہیں۔ جناب طرفہ قریشی کو میں نے (ماہنامہ) "شاعر" کے ذریعے سے جانا اور تین سال سے وقتاً فوقتاً اُن کے کلام کو پڑھ رہا ہوں۔ عہدِ حاضر کے ترقی پسندانہ معیار پر اُن کے مفکرات کو معاصرین کے مقابلے میں قدر و توجہ اور داد و تحسین کا پورا حق حاصل ہے۔ اور وہ اپنی صلاحیتوں کی بنا پر یافتہ شہرت سے زیادہ قابلِ تذکرہ اور لائقِ اعتراف ہیں۔

سی۔ پی کی زمین کے اس لعلِ بے بہا پر سارے صوبے کو فخر ہو تو بے جا نہیں۔ میں نے اب تک اُن کے کلام پر کبھی تنقیدی نظر نہیں ڈالی، لیکن تفریحی مطالعے میں بھی اُن کے بعض اشعار دل پر نقش ہو گئے ہیں۔ خصوصاً اشعارِ ذیل تو میں اکثر اثنائے گفتگو یا تقریر کے موقع پر پڑھ جاتا ہوں۔

احساس اُکھڑا اُکھڑا ادراک اُلجھا اُلجھا — شاید دماغ و دل میں کچھ ہو گئی ہے اَن بَن

اللہ رے فصلِ نَو کا انعامِ بے نہایت — گلشن بھی چاک داماں صحرا بھی چاک دامن

یہ اُسی کا ہے اندھیرا یہ اُسی کی تیرگی ہے — کبھی کہہ دیا تھا میں نے تجھے آسماں کا تارا

دکھائی فکر و نظر نے کچھ ایسی جولانی ۔۔۔ ہنر بھی زاویۂ عیب میں ہوا محصور

یہ صرف تفریحی نگاہ کا دامن ہے ورنہ اس سے بہتر سینکڑوں کی تعداد میں غنچہ و گل اُن کے لالہ زار سے چُنے جا سکتے ہیں۔ میرے اس قول کی تصدیق انشاءاللہ طرفہ صاحب کے تازہ ترین مجموعہ (پہلی کرن) سے ہوگی۔

(مولانا) شفیق جون پوری

(۹)

طرفہ صاحب فطرۃً شاعر پیدا ہوئے تھے اور اگر مناسب ماحول میسر آجاتا تو آج آپ خدا جانے ترقی کی کتنی منزلیں طے کر چکے ہوتے۔ اس کے باوجود آپ نے کافی ترقی کی ہے جس کا ثبوت بھی ملاحظہ فرمایئے۔ مجھے آپ کے یہ دو شعر ابھی ابھی بیساختہ یاد آگئے ؎

یہ کس منزل میں میری زندگی کا سلسلہ ٹوٹا؟ ۔۔۔ فضا ساکت زمیں سے آسماں تک ایک سناٹا
مرے دل سے اب اُن کی برتری کا سلسلہ ٹوٹا ۔۔۔ مری دنیا کے ذرّوں پر تنقید ستاروں کی!

(حضرت) قیصر بدنیروی

(۱۰)

وسطِ ہند میں طرفہ کا نام شعراء کی صفِ اوّل میں ہے۔ اُس کے کلام میں تاثر اور جاذبیت پائی جاتی ہے۔ وہ "سی۔پی" کا "موتی ہے" ایسا موتی جس کی آب و تاب دائمی ہے۔

(ادیبِ شہیر حکیم) یوسف حسن مدیر "نیرنگِ خیال لاہور"

(۱۱)

کُل ہند مشاعرۂ ناگپور ۱۹-۲۰-۲۱ جون سنہ ۱۹۴۳ء کے دوران میں جناب طرفہ سے نیاز حاصل ہوا۔ اُس دوران میں طرفہ صاحب کئی دفعہ میرے پاس تشریف لائے۔ وہیں اُن کا اکثر کلام دیکھنے اور سُننے میں آیا۔ زمانۂ موجودہ کے رنگ میں آپ کا کلام ہوتا ہے۔

اچھا کہتے ہیں۔

(مولانا) راغب ہاشمی برہان پوری

(۱۲)

طرفہ صاحب اپنے دور کے اچھے شاعر ہوکر رہیں گے۔ اُن کے کلام سے اُن کے تخیل کی زندگی کا پتہ چلتا ہے۔

(ادیبِ شہیر حضرت) قیسی رامپوری

(۱۳)

طرفہ کا دوسرا رُخ "پہلی کرن" ——— "پہلی کرن" شعوری قدروں کی عکس ریز ——— یہی امتزاج طرفہ کی انفرادیت اور اسی انفرادیت کا نام معراجِ شاعری ——— یہ ہے طرفہ صاحب کے متعلق میرا ذاتی خیال!

(مولانا) انجم فوقی بدایونی

(۱۴)

حضرتِ طرفہ قریشی سی۔ پی کے اُن چند شعرا میں سے ایک ہیں جن کا نام صفِ اول میں ہے۔ اور طرفہ تر امر یہ کہ آپ کو حضرتِ علامہ سیماب رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ محاسنِ کلام کی نسبت صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ آپ کا کلام ہر ماہرِ فن کو دعوتِ فکر و نظر دیتا ہے۔ آپ اپنی پُرگوئی کے باعث اس علاقہ میں ایک خاص مقام حاصل کر چکے ہیں۔

(مولانا) محمد حشمت اللہ ریاضی برہان پوری

(۱۵)

فطری ذوق، ولولوں سے لبریز سینہ، مسلسل فکر و کاوش، مزید برآں ایک یگانۂ روزگار اُستاد (سیماب) کے فیضِ تربیت نے جنابِ طرفہ کو اپنے ہم عصروں میں ایک نمایاں جگہ کا مستحق بنا دیا ہے۔

ادیب مالیگانوی

(۱۶)

یہ اور بات ہے کہ تعصب سے کام لیں
بنتی نہیں مگر تجھے شاعر کہے بغیر

(شہزادہ) حیرت لدھیانوی

(۱۷)

دُنیائے شاعری میں طرفہ قریشی جانے پہچانے شاعر ہیں۔ اُردو کا کوئی بھی اچھا "ماہنامہ" ایسا نہیں جس میں آپ کا کلام شائع نہ ہوتا رہا ہو۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ طرفہ صاحب کا مجموعۂ کلام "پہلی کرن" منصۂ شہود پر آ رہا ہے۔ یقینی طور پر "پہلی کرن" اُردو کے شعر و ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہو گا۔

سرور تونسوی مدیرِ "شانِ ہند" دہلی

(۱۸)

جنابِ طرفہ قریشی بھنڈاروی دُنیائے ادب میں کسی تعارف کے محتاج نہیں آپ کا کلام ملک کے مقتدر رسائل میں کافی عرصے سے شائع ہو رہا ہے۔ اور اس طرح آپ کا تعارف اور کلام کی مقبولیت خود ہی طبقۂ صحافت میں موجود ہے۔

(مولانا) راشد برہان پوری

(۱۹)

میں نے جنابِ طرفہ قریشی بھنڈاروی کا کلام جستہ جستہ دیکھا۔ اُن کے بیان میں عذوبت، کلام میں پختگی موجود ہے۔ نوجوان شعراء میں اُن کو ممتاز درجہ حاصل ہے۔ امید ہے کہ ادبی دُنیا میں اُن کا مجموعۂ کلام قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا۔

بہار کوٹی

(۲۰)

طرفہ قریشی نوجوان شعراء کے سرآمد ہیں۔ اُن کی بڑھتی ہوئی شہرت نے۔۔۔۔

کے بھی دانت کھٹے کر دیئے ہیں۔

صدیق اختر کامٹوی
منیجر ہفتہ دار "الفارشاق" کامٹی۔ سی۔ پی

(۲۱)

طرفہ قریشی بھنڈاروی سی۔ پی سے متعلق ہیں۔ اور اسی رعایت سے حکیم یوسف حسن صاحب مدیر "نیرنگِ خیال" لاہور آپ کو "سی۔ پی کا موتی" کہتے ہیں۔ علامہ سیماب اکبرآبادی کے فارغ الاصلاح ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ عروض میں آپ کو کامل دسترس حاصل ہے۔

غلام محمد امرتسری مدیر "کائنات" لاہور

(۲۲)

جناب طرفہ قریشی سی۔ پی کے اُن نوجوان شعراء میں سے ہیں جنھیں *Inborn Poet* کہا جاسکتا ہے۔ یعنی انھیں شعروشاعری کا ذوق فطرت کی طرف سے ودیعت ہوا ہے۔ وہ شعر بہت سمجھ کر کہتے ہیں۔ خیالات سنجیدہ اور ترقی یافتہ ہوتے ہیں۔ کاش طرفہ صاحب کی ساتھ زمانہ مساعدت کرے اور انھیں اس سے زیادہ غوروفکر کا موقع ملے۔

اعجاز صدیقی مدیر "شاعر" آگرہ۔ بمبئی

(۲۳)

میں حضرتِ طرفہ قریشی کی شاعرانہ صلاحیتوں کا ایک مدت سے معترف ہوں۔ ان کے یہاں زبان و بیان کی جملہ خوبیوں کے ساتھ سچے تاثرات اور حقیقی واردات کی گہری پرچھائیاں ملتی ہیں۔ طرفہ صاحب کے یہاں نہ تو بہت ہی قدیم رنگِ سخن ہے اور نہ بالکل ہی جدید اندازِ بیان ہے بلکہ یہ ایک معتدل اور خوشگوار فضا میں سانس لیتے نظر آتے ہیں جو دونوں رنگِ سخن کی آمیزش سے بنتی ہے۔ ان کے یہاں سطحی اور دُوراز کار خیالات کا پتہ کہیں نہیں چلتا۔ اور میں جب بھی ان کی کوئی غزل پڑھتا ہوں تو مجھے ہمیشہ پختگی اور مشاقی کے علاوہ سنجیدگی، گہری سوچ اور حیات وکائنات سے

بہت قریب کی باتیں ملتی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ کہیں کہیں ان کے یہاں ایسے اشعار بھی مل جاتے ہیں جن کی بنیاد محض تصوّراتی ہوتی ہے اور جس کو اگلے وقتوں کے لوگ "شاعرانہ بات" کہا کرتے ہیں۔ لیکن عام طور پر طرفہ صاحب کے یہاں حسن و عشق کا صحیح اور صحت مند تصوّر ملتا ہے سنگین حقائق ہوتے ہیں اور جذبات و تاثرات کی سچائیاں نظر آتی ہیں۔

طرفہ صاحب ماحول اور دَور کے تقاضوں سے بھی باخبر ہیں۔ نظموں کے علاوہ ان کی غزلوں میں بھی کہیں کہیں عوامی تقاضے ہوتے ہیں جن سے بیان میں طرفہ صاحب شاعرانہ نزاکتوں کے ساتھ ایک سنبھلا ہوا اور سلجھا ہوا ذہن بھی شامل کر دیتے ہیں۔ جس کے سبب ان کے یہاں جھنجھلاہٹ اور قنوطیت کے بجائے ٹھہراؤ اور رجائیت ہوتی ہے۔

طرفہ صاحب کی شاعری میں بڑی جان اور اُٹھان ہے۔ اگر وہ اسی طرح اپنی ذہانت اور شعور کا ثبوت دیتے رہے تو مجھے یقین ہے کہ مستقبل کا مورخ انھیں فراموش نہ کر سکے گا۔[1]

نازش پرتاب گڈھی

(۲۴)

یہ کہنا بیجا نہیں کہ طرفہ قریشی بھنڈاروی سی۔ پی کے چند مخصوص شعراء میں سے ایک ہیں۔ جہاں وہ "آگرہ اسکول" کے ایک ہونہار اور جواں فکر شاعر ہیں وہیں "آگرہ اسکول" کی وہ تمام خصوصیاتِ علمی، ادبی، اخلاقی، تاریخی اور اصلاحی اُن کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ وہ بیک وقت نظم گو بھی ہیں اور غزل گو بھی۔ اُن کا پاکیزہ رنگِ تغزّل نظم نگاری کا نقشِ ثانی ہے۔ طرفہ ہر زمین میں بے تکان جولانیٔ طبع دکھاتے ہیں۔ طرفہ کی اُمید افزا شاعری کا نکلتا ہوا آفتاب مطلعِ مشرق کو چمکانے کے ساتھ خود اپنے مستقبل کے چہرے پر روشنی ڈال رہا ہے۔ اُن کے کلام کے مطالعے سے یہ واضح ہو گیا کہ اُن کے نزدیک "ادب برائے ادب" نہیں بلکہ "ادب برائے زندگی" ہے۔

[2] آغاز برہان پوری (مرحوم)

[2] کاش آغاز مرحوم "پہلی کرن" کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔ (طرفہ)

[1] جی۔ مناسب ہے! (طرفہ)

(۲۵)

طرفہ بہت گہری نظر سے کام لیتا ہے۔ اور ایک حسّی شاعر ہونے کی حیثیت سے ماحول کی بدلی ہوئی قدروں کا اثر اُس کے دل و دماغ پر بہت گہرا ہے۔ اُس کے کلام میں ایک دھڑکتا ہوا دل ملتا ہے۔ وہ "آگرہ اسکول" کا صحیح نمائندہ ہے اور اُس کو نظم و غزل، قطعہ، رباعی، تاریخ وغیرہ اصنافِ سخن پر پوری دسترس حاصل ہے۔ فنی محدودیت میں رہکر بھی وہ زندگی کے نئے تقاضوں سے بیگانہ نہیں۔

مشہود مفتی

(۲۶)

طرفہ مشہور، کہنہ مشق اور خوش گو شاعر ہے۔ وہ بہت سوچ سمجھ کر کہتا ہے۔ آمد ہی آمد اُس کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس دور کے نوجوان شعراء میں وہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے افسوس ہے کہ ایسا شاعر بھی حوادثاتِ زمانہ کا شکار ہے۔ خدا اُس کے دیوان کو مقبولیت عطا کرے۔ آمین۔

ممتاز مدراسی

(۲۷)

جنابِ طرفہ قریشی کے کلام میں سب سے زیادہ پُر کشش اور قابلِ قدر چیز اُن کے تخیل کی پاکیزگی ہے۔ میں انھیں مشورہ دوں گا کہ وہ اپنے تخیل کو اور بھی زیادہ صراحت سے پیش کریں۔ اس کوشش میں کامیابی حاصل کر کے وہ دنیائے ادب میں اپنے لئے ایک خاص مقام پیدا کر لیں گے۔

ہما ہرنالوی

(۲۸)

وسطِ ہند کے قابلِ ذکر شعراء و ادباء کی اگر کوئی فہرست مرتب کی جائے اور اس میں عبدالوحید طرفہ قریشی بھنڈاروی کا نام نہ ہو تو میں بلاخوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ وہ نامکمل

اور ناقابلِ اعتبار فہرست ہوگی۔

طرفہ سی۔پی کے نوجوان شعراء میں مجتہد کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے اس زمانے میں ہوش سنبھالا ہے جسے ادبی لحاظ سے "سیلابی" کہا جاتا ہے۔ اختراعات و ایجادات کا زمانہ ہے۔ ہر طرف نئے نئے تجربے کئے جارہے ہیں۔ کہیں قوانی اور ردیف سے آزاد ہونے کی اتنی فکر ہے کہ مذہب، سماج اور انسانیت کے بھی بندھن توڑ دیئے جاتے ہیں۔ اور کہیں فن و عروض کی حفاظت کا اتنا خیال کہ جذبات و احساسات کے کچلے جانے کی بھی پرواہ نہیں۔ لیکن طرفہ نے ان دونوں راستوں سے ہٹ کر اپنے لئے ایک نئی شاہراہ قائم کی ہے۔ اُن کے کلام میں اگر خیالات و احساسات نئے ہیں اور طرزِ بیاں زمانے اور ماحول کے مطابق تو زبان و عروض کی پابندی بھی اپنی حد کو پہنچی ہوئی ہے۔ طرفہ کی شاعری جس طرح ترقی پسندوں کے لئے باعثِ طمانیت و سکون ہے اُسی طرح رجعت پسندوں کے لئے بھی آسودگی کا موجب ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر شاعر مجتہد کا مرتبہ حاصل کرتا ہے۔

(مولوی) شاکر اورنگ آبادی۔بی۔اے

(۲۹)

میری نظر میں طرفہ صاحب "سی۔پی" ہی کے نہیں، ہندوستان کے مشہور شعراء میں شامل ہیں۔ آپ کو جملہ اصنافِ سخن پر دسترس حاصل ہے۔ آپ علامہ سیمابؒ کے بلند پایہ شاگردوں میں ہیں۔ یقیناً آپ کا دیوان دنیائے ادب میں مقبول ہوکر رہی جگہ آپ کو دلائے گا جس کے آپ مستحق ہیں۔

خلیق برہان پوری

(۳۰)

یہ سن کر بیحد مسرت ہوئی کہ میرے مخلص دوست جناب طرفہ قریشی کا مجموعۂ کلام "پہلی کرن" کے نام سے مطلعِ ادب پر جلوہ گر ہو رہا ہے ——— اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ

اُنھیں اس سلسلے میں اپنا ذاتی مکان فروخت کرنا پڑا۔

جہاں جنابِ طرفہ کی جائے پناہ کے فروخت ہونے کا افسوس ہے وہیں میں اپنے مکرم دوست سے یہ عرض کروں گا کہ ایک "بیت" کے عوض ایک "دیوان" کچھ زیادہ مہنگا سودا نہیں ہے۔ لیکن ایسی جرأت بھی قابلِ مبارکباد و لائقِ تحسین ہے۔

جنابِ طرفہ قریشی "سی۔پی" کے اُن اساتذہ اور ممتاز شعراء میں سے ہیں جنھوں نے اُردو ادب کی بہترین خدمت کی ہے اور اپنے اسلوبِ بیاں، ندرتِ تخیئل اور مضمون آفرینی میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ خدا کرے "پہلی کرن" شعرائے سی۔پی کے لئے مشعلِ راہ اور ادب نواز حضرات کے حوصلہ افزا تعاون کی دلیل ثابت ہو۔ آمین ثم آمین۔

یاور رائے پوری

(۳۱)

اُردو ادب میں صنفِ شعر کی ارزانی نے ایسا اُلجھاؤ پیدا کر دیا ہے کہ صحت مند تخلیقات کی تلاش آسان کام نہیں رہا۔ بیشتر شعراء کا کلام مشہور و مقبول شعراء کے کلام کی صدائے بازگشت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ظاہر ہے کہ اُن کی زندگی بھی مشاعرے کی واہ واہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ میں نے طرفہ کا کلام دیکھا، اُس میں انفرادیت ہے، خلوص اور درد و اثر کی کمی نہیں۔ یقین ہے کہ "پہلی کرن" کو ادب العالیہ میں نمایاں مقام حاصل ہوگا۔

احمد وقار واثقی مہو

(۳۲)

طرفہ صاحب تِلامذہ ہیں۔ رسالوں کی دُنیا میں اچھی خاصی شہرت کے مالک ہیں اور ایک کامیاب شاعر ہونے کے علاوہ عمدہ نقاد بھی ہیں۔

ابراہیم ادیب فیض آبادی

مدیر "الوارث" بمبئی

(۳۳)

ظرفہ اور "پہلی کرن؟" یہ عام مشاہدہ میں ہے۔ لیکن ظرفہ صاحب کو قریب سے دیکھنے والے ہی یہ حقیقت جانتے ہیں کہ حضرتِ ظرفہ نے "پہلی کرن" کے سلسلے میں "گھر پھونک تماشا دیکھا ہے" اور اُن کے اس انداز پہ میرا دل جھوم اُٹھا کہ ابھی ادبی دُنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے خون میں صرف دوسروں کے لئے نہاتے ہیں۔ ورنہ ہندوستان کی تاریخ میں مُردہ پرستی کے مقام سے کوئی بے خبر نہیں۔ فانی، اصغر، اقبال اسی دور کے انفرادی شاعر ہیں۔ جن کی صحیح قدر اُن کے بعد ہوئی۔ قدیم دَور میں غالب کو دیکھئے کہ وہ آج زندہ ہوا۔ ظرفہ صاحب کی زندگی اگر آج بھیانک ہے تو عجب کیا؟ آخر وہ بھی توصیفِ شعرا میں انفرادی درجہ رکھتے ہیں۔

میں سب سے پہلے اُن کے اس جذبۂ خودداری پر مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ وہ پریشان حال ہونے کے باوجود کسی کے دست نگر نہیں۔ وہ غریب ہیں لیکن ایسے غریب جو سرمایہ داروں کی نمائش سے متاثر نہیں ہوتے۔

ظرفہ شاعر ہیں مگر ایسے شاعر کہ دوسروں کے لئے ہمیشہ ارتقائی راہیں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ یہ کون نہیں جانتا کہ "سی۔ پی" جیسے ...... مقام کو ظرفہ صاحب کی ذات نے کس قدر نمایاں اور ممتاز بنا دیا؟ سب کو علم ہے مگر حق بات کہے کون؟ —— یہاں تو اپنی ہی لالی بھاتی ہے! بہرکیف اب تک ناظرین نے ظرفہ کو جستہ جستہ پڑھا ہے۔ آج اُن کے پیشِ نظر "پہلی کرن" ہے۔ لیکن اصطلاحی لحاظ سے "پہلی کرن" ورنہ ادبی زبان میں اسی کو "سورج کا نچوڑ" کہا جا سکتا ہے۔ "پہلی کرن" میں اُجالا ہی اُجالا نہیں کہیں کہیں تاریک پہلو بھی ملے گا، مگر وہ پہلو قطعی تاریک نہیں۔ بلکہ نور و ظلمت کا ایک امتزاج ہے اور اس امتزاج ہی نے ظرفہ کو انفرادی مرتبہ ادب میں بخش دیا۔ میری آرزو ہے کہ خدا ظرفہ اور

"لے ہیں کیا جو تُربت پہ میلے رہیں گے" —— ظرفہ

کلامِ طرفہ کو سمجھنے کی توفیق ہر شخص کو عطا فرمائے اور جلد سے جلد طرفہ صاحب سے دوسری مجموعے کے تقاضے ہوں۔

عتیق انجمی مالیگانوی

(۳۴)

طرفہ صاحب کے کلام میں بلاغت نظام میں اربابِ نظر کے لئے بہت زیادہ سرمایۂ ذوق موجود ہے۔ آپ کے اشعار میں شعلے بھی ہیں اور شبنم بھی ہے

ہر لفظ میں ہم پاتے ہیں آثارِ ثبات　　ہر مصرعِ تر میں نظر آتی ہے حیات
کیا شاعرِ خوش گو ہیں جنابِ طرفہ　　ہے طرفہ سخن اُن کا، انوکھی ہر بات

(ابوالانوار) سلام ساگری

(۳۵)

میں زندگی اور ادب میں ایک گہرے تعلق کا قائل ہوں۔ خواہ وہ نظم ہو یا غزل، افسانہ ہو یا ڈرامہ۔ میں ایک کامیاب فنکار اُسے سمجھتا ہوں جو وقت کی نبض پکڑ کر اظہارِ خیال کر سکے۔ جو ساحل پر کھڑا ہو کر سمندر کی تہہ کا جائزہ لے سکے۔ اور یہ خصوصیت طرفہ صاحب کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اُن کے اکثر اشعار کا پس منظر درد و کرب کا آئینہ دار نظر آتا ہے۔ اُن کے یہاں کیف و نشاط کی ملی جلی کیفیت اور رسیلے نغموں کی بھی کمی نہیں ——— اُن کے لب بھی مسکرائے ہیں۔ اُن کا دل بھی دھڑکا ہے ——— اُنھوں نے اختر شماری بھی کی ہے ——— اور چاند سے باتیں بھی۔ لیکن کچھ اس طرح کہ موجودہ بحرانی دور میں بارِ سماعت نہیں گزرتیں ——— میں نے محسوس کیا ہے کہ طرفہ قریشی جب کسی کے لبوں سے زہر کا جام لگانا چاہتے ہیں تو پہلے اُسے امرت ثابت کر دیتے ہیں۔ اور میری نزدیک یہ ایک پسندیدہ اسلوب ہے۔

یہ مسلمہ ہے کہ کسی صنف میں طبع آزمائی کرنے سے قبل اُس صنف کے فن سے واقفیت حاصل کر لینا

ضروری ہوتا ہے اور جب کوئی شخص فن پر عبور حاصل کر لیتا ہے تو وہ فن کار بن جاتا ہے۔ طرفہ صاحب کے کلام کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ فنی خامیوں سے بڑی حد تک پاک ہوتا ہے۔

جدت اور ندرت بری چیز نہیں۔ روشِ عام سے ہٹ کر چلنا گناہ نہیں کہا جا سکتا۔ طرفہ صاحب کا رنگِ تغزل وقت کی بدلتی ہوئی قدروں کے ساتھ بدل رہا ہے۔ اگر طرفہ قریشی عصری تقاضوں کو اسی طرح خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرتا رہا تو یقیناً وقت کا ایک بڑا پیغامبر کہلائیگا ——— میری ان سطور میں کہاں تک صداقت ہے، اس کا اعتراف آپ طرفہ صاحب کا زیرِ نظر مجموعۂ کلام ملاحظہ فرما کر خود کر لیں گے۔

مظہر صدیقی اکبرآبادی
مدیر ماہنامہ "پرچم" کراچی

(۳۶)

حضرتِ طرفہ قریشی بھنڈاردی وسطِ ہند کے اُن باخبر اور کہنہ مشق شعراء میں سے ہیں جن کا میں دل سے احترام کرتا ہوں۔

حافظ اظہر جبل پوری

(۳۷)

طرفہ قریشی "آگرہ اسکول" کے فارغ التحصیل شاعرِ باخبر ہیں۔ ہند و پاک کے ادبی حلقے آپ کی جدت طرازی اور قوتِ اجتہاد سے خوب واقف ہیں۔

ماہنامہ **"نباض" ناگپور**

(۳۸)

طرفہ کی پاکیزہ شاعری کا کون معترف نہ ہوگا؟ ——— ان کے کلام میں

بڑی روحانیت ہے ——— محاسنِ شعری اور لوازماتِ فن کا وہ خاص طور پر خیال رکھتے ہیں۔

انعام الٰہی عثمانی

مدیر ماہنامہ "ہادی" دیوبند۔یو۔پی

تاریخِ مآثر

—۵۲—عیسوی—۱۹—

نظارگیٔ معراجِ حیات الادب

—۵۲——عیسوی——۱۹—

سی۔پی کے دبستانِ رفیع الشان

—۷۱——ہجری——۱۳—

مکتبۂ حیات الادب ناگپور کا گلشنِ دل افروز

—۵۲——عیسوی——۱۹—

طرفہ قریشی کا نمایاں صحیفۂ کلام

—۷۱——ہجری——۱۳—

کتبۂ خاور نشاں "پہلی کرن"

—۵۲——عیسوی——۱۹—

——— اخلاص آئین معراج دھولپوری ———

—۷۱——ہجری——۱۳—

انانیت کے دریچوں سے جھانکنے والو!
نہیں ہر ایک کی قسمت میں منصبِ منصورؒ!!

(طرفہ)

۲۸۶
۹۲

آرزو

یا خُدا مجھ کو ہو وہ کلکِ گُہر بار عطا　　　　بطن سے جس کے ہویدا ہوں دُرِ صدق و صفا
مشغلہ جس کا ہو دن رات تری حمد و ثنا　　　　جس کے ہر نُقطے سے پیدا ہو "ہُو الحق" کی صدا

نکلے جو مُنہ سے سخن عرش کی قندیل بنے
میرے دیواں کا ورق شہپرِ جبریلؑ بنے

صُبحِ کعبہ سے عیاں شامِ کلیسا دیکھوں　　　　سقفِ بتخانہ پہ کعبے کا پھریرا دیکھوں
سازِ ناقوس پہ کچھ شیخ کو پڑھتا دیکھوں　　　　یعنی دونوں سے تری شان ہویدا دیکھوں

کفر و اسلام کی تفریق مٹا دی جائے
ایک کو ایک کی تعظیم سکھا دی جائے

میری نظروں میں رہے حافظؒ و خیامؒ کا جام　　　　پائے تخئیل مری جامیؒ و خسروؒ کا مقام
ہر سخن میرا بنے حضرتِ سعدیؒ کا پیام　　　　میرے ہاتھوں میں ہو سیماب کی محفل کا نظام

ہند والے مجھے اقبالؒ کی آواز کہیں
نغمہ سنجانِ ادب بلبلِ شیراز کہیں

میرا ہر شعر ہو آئینۂ عرفانِ خودی
میری ہر مصرعِ تر سے ہو عیاں شانِ خودی
میرا ہر نغمہ بنے رشکِ الحانِ خودی
ہر نفس سے ہو نمایاں مرے برہانِ خودی

شوق خود اُٹھ کے مرے درد کا درماں بن جائے
ہر الف میری عبارت کا رگِ جاں بن جائے

روز و شب گاتا رہوں عشق کے سندر نغمے
سوز میں ڈوبے ہوئے سازِ جگر پر نغمے
شُکر کے، شوق کے، احسان کے برتر نغمے
شہد سے شیریں حلاوت کے ثناگر نغمے

لوٹ جائیں جنھیں سنتے ہی خوش الحانِ سخن
مجھ کو بلبل بھی کہے بلبلِ بُستانِ سخن

ایسے نغمے جنھیں افلاک پہ قدسی گائیں
ایسے نغمے جنھیں فردوس میں حور یں بھی سنیں
ایسے نغمے کہ جنھیں سُن کے ملک وجد کریں
ایسے نغمے جنھیں قرآن کی تفسیر کہیں

محفلِ کون و مکاں میں ہو مرا ذکر مدام
میری بخشش کا ذریعہ ہو مرا حسنِ کلام

میرے شاگرد مرے نام کو زندہ رکھیں
میری اور محترم استادؔ کی تقلید کریں
کشورِ علم کا سب اُن کو شہنشاہ کہیں
آسمانِ ادب و شعر کے سیّارہ بنیں

عظمتِ چرخِ فصاحت کو دوبالا کر دوں

ؔ علامہ سیمابؔ

خاک کے ذرّوں کو ہم دوشِ ثریّا کر دوں

ناقدوں کو مرے شعروں میں نظر آئے کمال　　　صوفیوں کو مری نغماتِ حقیقی سے ہو حال
ہر سخنور کو رہے میرے تجسس کا خیال　　　میرا ہر شعر بنے معرفتِ حق کی مثال

جلوۂ حسن ہر اک شعر سے پیدا ہو جائے
میرے الفاظ کا ہر نقطہ سویدا ہو جائے

غالب و میر کی تخئیل کا خواہاں کر دے　　　ذوق و سودا کے تغزل کا ثناخواں کر دے
آتش و ناسخ و انشا سا سخنداں کر دے　　　درد کے درد کو پیوستِ رگِ جاں کر دے

میری مداح نظر آئیں جلال اور اسیر
میری تعریف کریں حضرتِ داغ اور امیر

ضامن و مومن و مضطر کی طبیعت پاؤں　　　آرزو و جگر و دل کی حرارت پاؤں
بیخود و وحشت و اختر کی لیاقت پاؤں　　　اکبر و حسرت و جوہر کی سیاست پاؤں

شعر کہنے کی عطا ہو نہ مجھے ایسی تمیز
میرا منہ چوم لیں جنت میں ریاض اور عزیز

ہم سخن حضرتِ حالی کا بنا دے مجھ کو　　　بزمِ اقبال میں اک روز بٹھا دے مجھ کو
جوش و اعجاز کا انداز سکھا دے مجھ کو　　　یعنی جامِ مئے ہر رنگ پلا دے مجھ کو

ہر گھڑی پیشِ نظر حضرتِ سیماب رہیں
مجھ کو بھی اہلِ ادب ایک دن استاد کہیں
نوح کی سادگی شاعری کی فصاحت ہو نصیب   اصغر و بیدم و احسن کی بلاغت ہو نصیب
انور و محوی و آزاد کی جدّت ہو نصیب   ماہر و فانی و سائل کی حلاوت ہو نصیب
میرے نغموں پہ پھڑک اٹھے رگِ جانِ خلیل
میرے شعروں پہ تواجد کریں استاد جلیل
میری فطرت ہو طلبگارِ خیالاتِ ظفر   میرے رندانہ مضامیں سے ہوں مسرور جگر
میری ذرّاتِ پریشاں میں ہم آغوشِ قمر   میری شعروں میں اثر پائیں قیامت کا اثر
موجزن ہو مری تخئیل کا دریا ایسا
جس کی ہر موج سے ہوں سینکڑوں طوفاں برپا
نعت گوئی میں مجھے رتبۂ محسنؒ ہو عطا   میری شہرت سے ہوں مسرور بیان اور رضا
اکبر و کیف کی روحیں ہوں مری مدح سرا   سب سنیں رومیؒ و عطارؒ کی منہ سے یہ دعا
بخش دے اس کو خدا جدّتِ افکارِ شہیدؒ
اسے ہم عصر کہیں اپنے زمانے کا وحید
طبع کو ہو مری رضواں کا تخئیل حاصل   لطف ہو لطف کا طاہر کا تسلسل حاصل

شاد و بیدل کے ہو نغموں کا تقابل حاصل یاسؔ کا طرزِ بیاں فکرِ تجمل حاصل

آفریں میرے تتبع پہ کہیں سیفؔ و تسریہ
داد دیں میرے تکلم کی انیسؔ اور دبیرؔ

ہم سخن اپنا کہیں مجھ کو شریعت والے ہمنوا سمجھیں مجھے اپنا، طریقت والے
ہوں فدا میرے تکلم پہ حقیقت والے میری افکار میں، ڈھونڈیں تجھے وحدت والے

لحن داؤدؑ مرے نغموں سے پیہم نکلے
قبر سے جامِ سخن دیکھنے کو "جم" نکلے

اپنے عرفان کا آئینہ بنا دی یارب تپش اندوزیٔ الفت کا صلا دی یارب
سب حجاباتِ دوئی دل سے اٹھا دی یارب حسبِ منشا مری عظمت کو بڑھا دی یارب

آرزو ہے کہ سراپا میں ضیا ہو جاؤں
تجھ سے مل کر ترے جلووں میں فنا ہو جاؤں.

دوشیزۂ سیاست

دنیا یہ میری دنیا ہے زندگی کا مامن — ہر قطرہ اک جنازہ ہر ذرہ ایک مدفن
اُبھرے ہوئے ہیں کتنے نکھرے ہوئے ہیں کتنے — آزردگی کی جلوے افسردگی کے درشن
فریاد وغم کی اپنے انساں نے لے بدل دی — اک شورِ نالہ گھر گھر اک آہ آنگن آنگن
تصویرِ وحشتِ دل شاید ہوئی مکمّل — صحرا نہیں ہے صحرا گلشن نہیں ہے گلشن
نیند آئے ایسی یارب تقدیر جاگ اُٹھے — بستر لگا رہا ہے مسجد میں اب برہمن
دہقاں کی زندگی کی خوشحالیاں نہ پوچھو — ٹھٹھرے ہوئے ہیں دانے پھولا ہوا ہے خرمن
اللہ رے فصلِ نَو کا انعامِ بے نہایت — گلشن بھی چاک دامن صحرا بھی چاک دامن
فرزانگی کو خفت دیوانگی کو رقّت — ہوتا ہے دیکھیے اب کس کا ضمیر روشن
احساس اُکھڑا اُکھڑا ادراک اُلجھا اُلجھا — شاید دماغ و دل میں کچھ ہو گئی ہے اَن بن
مزدور کا تبسّم سرمایۂ قناعت — مفلس کی چشم پُرنم لعل و گہر کا مخزن
مجہول زائچوں میں معروف قسمتیں ہیں — مٹّی کے دیولوں میں سرسوں کا جیسے روغن
فصلِ بہار آئی ہر شاخ مُسکرائی — لیکن مرا نشیمن لیکن مرا نشیمن!!

دوشیزۂ سیاست آوارہ ہو نہ جائے
بھٹکا ہوا ہے آنچل بہکا ہوا ہے جوبن

صلۂ وفا

ڈوب جائیں ہم کہ غوطے کھائے دنیا کا نظام
اپنے امکاں میں نہیں اب آنسوؤں کی رُک تھام

اُس خرد کی انجمن کو دور سے اپنا سلام
مسکرانا بھی جہاں ممنوع رونا بھی حرام

اب کہاں وہ دن کہ ہنگامے وہ شب کا اہتمام
اپنے مہر و ماہ کھو بیٹھی ہماری صبح و شام

اب کہاں وہ ہر نفس پر امنِ عالم کا پیام
اب تو صلح و آشتی کا رہ گیا ہے صرف نام

کیوں نہ ہو جمعیتِ خاطر میں پیدا انتشار
ہے جنوں کے ہاتھ میں فرزانگی کا انصرام

کیوں ہماری عبدیت پر ہے زمانہ طعنہ زن!
ہر وفا پرور رہا ہے بن کے دنیا میں غلام

ہو خیالِ دوریٔ منزل نہ کیوں ہمت شکن
راستے ہیں ناموافق اور ہیں ہم لغزیدہ گام

ہم ازل سے جادہ پیمائے وفائے عشق ہیں
ہو کوئی منزل ہماری تو کریں ہم بھی قیام

بادِ صرصر نے اُسے آگے بڑھایا بھی تو کیا
ہے کہاں تقدیر میں ذرّے کی سورج کا خرام؟

یہ زمیں بھی آسماں کی طرح ہو انجم فشاں
آدمی پہچان لے انسانیت کا گر مقام

ملنے والی ہیں وفاؤں کے صلے میں جنّتیں
دیکھنا ہے سامنے آتے ہیں کتنے نیک نام

تجزیہ

لوگ کہتے ہیں بصد فخر و مباہات اکثر
مُلک تقسیم ہوُا دیش سے بپتا بھاگی
اب ہے ویرانی کہیں اور نہ کوئی تیاگی
کٹ گئے کال اُجالے سے اندھیرا بدلا
انقلابات کی رَو نے نیا جوڑا بدلا
اژدہے بھاگ گئے دیش کے "بندرابن" سے
مغربی ناگ جو تھے ہٹ گئے بھارت دھن سے
رامش و رنگ کے چہروں پہ نکھر آیا شباب
ہر در و بام پہ آویزاں ہے اک اک مہتاب
مُلک آزاد ہوُا دیش کی قسمت جاگی
اب تو بے راگی "نہیں کوئی بھی سب ہیں" راگی"

میں یہ کہتا ہوں تمدّن کا جنازہ نکلا!!

نعرۂ جمہور

اُٹھاؤ دار و رسن کا نہ خلق سے دستور
ابھی ہیں ذہن میں فطرت کے سینکڑوں منصور

دکھائی دیں گے نہ محلوں میں خوشۂ انگور
بپھر گئی جو کسی دن فلاکتِ جمہور

کچھ ایسے ڈھنگ سے پروان چڑھ رہا ہے غرور
بِلک رہی ہے متانت سِسک رہا ہے شعور

لگے گی ٹھیس محبت کی وضع داری کو
ہوس کی گود میں پلنے لگا ہے عشقِ غیور

اُڑائے جائیے فسطائیت کے طیارے
فضا میں اب بھی پرافشاں ہے نعرۂ جمہور

جہاں دکھائی نہ دیتا تھا دن کو سورج تک
اُجالی بانٹ رہی ہے وہاں شبِ دیجور

خرد کے ہاتھوں کو امین کی خاک تک نہ لگی
جنوں نے اپنی ہتھیلی پہ رکھ لئے سوطور

دکھائی فکر و نظر نے کچھ ایسی جولانی
ہنر بھی زاویۂ عیب میں ہوا محصور

انانیت کے دریچوں سے جھانکنے والو!
نہیں ہر ایک کی قسمت میں منصبِ منصورؔ

ہے شر سے بیر جنھیں، خیریت نہیں اُن کی
کہ موڑ موڑ پہ ہے آج شیطنت کا ظہور

ہر اختیار ہے اک جبرِ ناتمام لئے
الٰہی! آدمی مجبور، اور اس قدر مجبور!!

بھونچال

میرے غم خوردہ دل کی وادی میں
کتنے بھونچال اور آئیں گے ؟
کتنی جُھنکاریں غم کی گونجیں گی ؟
کس قدر " کال " اور آئیں گے ؟

کس قدر کال اور آئیں گے ؟
کتنی سانسوں کو زہر کھائے گا ؟
کتنے ارمانوں میں پڑے گا نیل ؟
کتنے صدموں کو دل دبائے گا ؟

کتنے صدموں کو دل دبائے گا ؟
کتنی چوٹیں اُبھر کے آئیں گی ؟
کتنی صبحیں بنیں گی لقمۂ شام ؟
کتنی راتیں اُجالے کھائیں گی ؟

کتنی راتیں اُجالے کھائیں گی ؟
کتنے تارے زمیں پر آئیں گے ؟
کتنی شمعیں اُتاریں گی کاجل؟
کتنی آنکھیں اندھیرے کھائیں گے؟

کتنی آنکھیں اندھیرے کھائیں گے ؟
کتنی بینائیاں چنیں گی پھول ؟
کتنے کانٹے چبھیں گے تلووں میں؟
کتنی آنکھوں میں ڈالی جائیگی دُھول؟

کتنی آنکھوں میں ڈالی جائیگی دُھول؟
کتنی بیداریوں کو لے گا شباب ؟
کتنی نیندیں اُچاٹ ہوں گی اور؟
کتنی قربانیاں کرے گا شباب؟

کتنی قربانیاں کرے گا شباب ؟
کتنے آنسو بڑھیں گے لے کے لہو ؟
کتنی پلکوں پہ جام چھلکیں گے ؟

کتنی آنکھیں بھریں گی غم کے سبو؟

کتنی آنکھیں بھریں گی غم کے سبو؟
کتنے بیمار سانس توڑیں گے؟
کتنے ہونٹوں پہ ہو گی مُہرِ سکوت؟

کتنے رشتہ اجل سے جوڑیں گے؟

کتنے رشتہ اجل سے جوڑیں گے؟
کتنے ہوں گے تباہیوں کا شکار؟
کتنے کاشانے اور اجڑیں گے؟

کتنے گھبرا کے لیں گے راہِ فرار؟

کتنے بھونچال اور آئیں گے؟
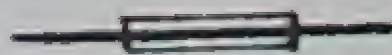
مقصودِ نظر

مقصودِ نظر جن کا ہو خود اپنی بھلائی
اُن سلطنتوں سے بہت اچھی ہے گدائی

شفاف نظر کے لئے آئینہ ہے، پانی
ہم سے کبھی ہو گی نہ سکندر کی بڑائی

اخلاق حسیں ہوں تو مَری ہم پہ زمانہ
کردار میں ہو حُسن تو دے جان خدائی

ہوتی نہیں دامن میں پہاڑوں کے کثافت
آتی ہے نظر گھاٹ کے پتھر ہی پہ کائی

غیبت سی کسی کی ہے یہ اچھا، کہ سرِ راہ
انسان کرے بیٹھ کے خود اپنی بُرائی

ہو مہر و وفا دل میں تو پھل پائیں ارادے
بنجائے خُدا کوئی تو راس آئے خدائی

جُز نالہ و شیون غمِ خاطر کا مداوا
اور کیا کرے آئے نہ جسے نغمہ سرائی

تنقید کا اغیار کو آیا نہ سلیقہ
تنقیص میں ہی عمر تمام اپنی گنوائی

دریا سے اُٹھیں لاکھ غلاظت کے تھپیڑے
جبڑوں پہ نہنگوں کے چپکتی نہیں کائی

ہاتھی کی چراگاہ کو گھوڑے نہیں پاتے
ملتی نہیں خچر کو پہاڑوں کی ترائی

بنتا ہے ہر اک مکر خنازیر گلے کا
سرطان کی صورت میں اُبھرتی ہے بُرائی

رکھا تھا رفیقوں نے جہاں صلح کا مرہم
مدت کی دبی چوٹ وہیں پھر اُبھر آئی

یہ دورِ کشاکش، یہ خرافات کا عالم
اللہ دہائی مرے اللہ دہائی

خفقانِ ادب کی کوئی ترکیب نکالو
ماحول میں پھیلے ہیں جراثیمِ وبائی

نغمۂ عمل

وقت کے ساز پہ چھڑتا جو عمل کا نغمہ!
اور فروزاں مہ و خورشید کی ہو جاتے چراغ — عرش پر اُڑتا گل و لالہ و نسریں کا دماغ
گھٹ کے مر جاتی اُجالے میں اندھیری شب کے
مطلع دل پہ چمک جاتی مسرت کی کرن — مسکرا اٹھتا ہر اک سمت امیدوں کا چمن
چہچہاتا ہوا مشرق سے سویرا آتا
وقت کے ساز پہ چھڑتا جو عمل کا نغمہ!
دوڑتی آتیں ہمالہ سے روپہلی نہریں — اُٹھتیں انگڑائیاں لیتے ہوئے سنہری لہریں
خوب جی کھول کے کر لیتا زمانہ اشنان
تلوے ذرات کے سہلاتی شعاعوں کی جبیں — وہم کے منہ کو پھرا دیتا طمانچوں سے یقیں
نہ چتائیں نظر آتیں نہ شہیدوں کے مزار
وقت کے ساز پہ چھڑتا جو عمل کا نغمہ!

اس قدر ہوتی نہ دنیا میں کہیں لوٹ کھسوٹ　　نظر آتا نہ زمانے میں کہیں کوئی لپوٹ[1]
جھوٹ کی آنچ کبھی سچ پہ نہ آئی ہوتی

ہوتا مزدور اگر رخشِ نیابت پہ سوار!　　چاند سے چہروں پہ جمتا نہ تباہی کا غبار
ہر طرف اُڑتا مساوات کا زرّیں پرچم
وقت کے ساز پہ چھڑتا جو عمل کا نغمہ!

[1] باتونی

نظامِ نَو

چاندی کے رو پہلے سکّوں کو قرطاس پہ ڈھالا جاتا ہے
پانی کے بجائے پیاسوں کو تیزاب پلایا جاتا ہے
اندھیر ہے اور اندھیر ایسا دُنیا کے پرستش خانے میں
ہر کوہ کو پُوجا جاتا ہے ہر کاہ کو روندا جاتا ہے
ہر بات پہ کھاتا ہے مُلّا ایمان کی قسمیں جُھک جُھک کر
مومن کی جگہ قرآن یہاں ابلیس کو سونپا جاتا ہے
مزدُور کی آنکھوں کے حلقے بنتے ہیں امیروں کی عینک
احساس کے مَیلے پردوں پر یہ کھیل بھی کھیلا جاتا ہے
بیوہ و یتامیٰ پر طنز و تشنیع کی ہوتی ہے بارش
جب مرتے نہیں یہ فاقوں سے باتوں سے مارا جاتا ہے
یہ جبر و تشدّد کچھ نہ رہے یہ ظلم و ستم سب مٹ جائیں
اک ایسا نظامِ نَو بزمِ عالم میں مرتّب کرنا ہے
یہ دیر و حرم یہ کفر اور دیں تفریق بداماں ہیں دونوں

دُنیا کے لئے بھی وجہِ الم اور خود بھی پریشاں ہیں دونوں
ناقوس کی لے بھی اک دھوکا اور لحنِ اذاں بھی اک دھوکا
عرفاں کہاں ان میں یعنی اک سازِ غلط خواں ہیں دونوں
زنار برہمن کی ہو یا تسبیح ہو شیخ کعبہ کی
خود کاری و خود کامی کا اک حربۂ عُریاں ہیں دونوں
تثلیث کدے کی حوریں ہوں یا دیر و شوالہ کی پریاں
تہذیبِ بنی آدم کے لئے فولاد کی چُھریاں ہیں دونوں
مخلوقِ خدا کی خدمت سے پرہیز ہے دونوں قوموں کو
مفہومِ عبادت سے ناواقف گبر و مسلماں ہیں دونوں

ہوا ان کا نہ جس میں دخل و گزر ہوا ان کا نہ جس میں نام و نشاں
اک ایسا نظامِ نو بزمِ عالم میں مرتب کرنا ہے

تبلیغِ مذاہب بھی ناقص ترویجِ سیاست بھی ناقص
جب دل ہی پُر اخلاص نہیں خالق کی عبادت بھی ناقص
دونوں ہی فریبی بندے ہیں محرومِ صداقت ہیں دونوں
واعظ کی روایت بھی باطل لیڈر کی حکایت بھی ناقص

گلزار میں بھی آرام نہیں اور کُنجِ قفس بھی غم پیرا
کمزور نشیمن بھی اپنا، زنداں کی عمارت بھی ناقص

جینا بھی گوارا ہم کو نہیں اور موت بھی اپنے بس میں نہیں
ہے زیست کی حسرت بھی مہمل، مرنے کی جسارت بھی ناقص

ہر روز کی خانہ جنگی سے لاحول کے قابل ہے دُنیا
صحرا میں بگولے اُٹھتے ہیں گُلشن کی سکونت بھی ناقص

ہو عیش و مسرت عام جہاں ہو تسکین و آرام جہاں
اک ایسا نظامِ نو بزمِ عالم میں مرتب کرنا ہے

ہر پھُول کی پیشانی پر ہوں انوار و تبسّم کی لہریں
ہر خار میں پرتو ہو گُل کا ہر گُل میں تکلّم کی لہریں

ہر برگ کے سینے پر ہو رقم رُوداد بہارانِ رنگیں
ہر شاخ لچک کر پیش کرے الطاف و ترحّم کی لہریں

ہر وقت نسیمِ روح فزا اک راگ الاپے عشرت کا
ہو بادِ صبا کی موجوں میں مستانہ ترنّم کی لہریں

سورج کی کرن کا منہ شبنم ہر صبح دُھلائے گلشن میں

معدوم ہوں ہر اک گوشے سے تفریق و تصادم کی لہریں
ہر سانس پہ ہو عرفاں دل کا ہر ایک نفس ہو حق آگہ
اس درجہ یقیں کی بارش ہو بہہ جائیں توہم کی لہریں

ہو جس میں رضائے بندہ بھی مولیٰ کی مشیت بھی شامل
اک ایسا نظامِ نَو بزمِ عالم میں مرتّب کرنا ہے

مرد اور عورت

مرد کی پیری، شباب و عشق کی آئینہ دار — اور عورت کی جوانی سے بڑھاپا آشکار
مرد کی ہر آرزو گل پوش، جنّت در کنار — اور عورت حسرت و ارمان کا اک خارزار
مرد کی تقدیر میں ہے عالمِ بالا کی سَیر — اور عورت پستیِ تحت الثریٰ پر بھی ہے بار
مرد کو ہر جُرم پر ہے اختیارِ عذرِ سہو — اور عورت اک سُبک لغزش پہ بھی خاموش کار
مرد کی فطرت سزاوارِ جلالِ کبریا — اور عورت کو نہیں فریاد کا بھی اختیار
مرد جب چاہے کرے عورت سے اظہارِ ہوس — اور عورت ضبطِ ذوق و شوق سے سینہ فگار
مرد کو ہرزہ سرائی یاوہ گوئی کا ہے حق — اور عورت کے لبوں پر ہے تکلّم کا مزار
مرد کے انفاس میں قدوسیت کا اعتلا — اور عورت کا تخیّل بے بساط و بست کار
مرد جب چاہے لگائے قہقہے پر قہقہہ — اور عورت آنسوؤں سے بھی نہ کھیلے ایک بار
مرد دنیا میں زعیمِ تخت و تاجِ سلطنت — اور عورت کا ہے محکومانِ عالم میں شمار
مرد کی تاریکیاں بھی حاملِ صد رنگِ نور — اور عورت کی تجلّی خالقِ شب ہائے تار
مرد کی مکّار فطرت پر سیاست کی اساس — اور عورت کی صداقت سے بھی ہے دنیا کو عار
مرد کی عیاشیاں دادِ عمل کی مستحق — اور عورت پارسا رہ کر بھی ہے عصیاں شعار
مرد کو جلوت میں بھی حاصل ہے لطفِ تخلیہ — اور عورت تخلیے میں بھی ہے ذلّت کا شکار

آہ یہ اندھیر، یہ بیداد، یہ حق تلفیاں
آخر ان دُکھیاریوں کا ہے کوئی پروردگار؟

آزادی ملنے کے بعد

کچھ خبر بھی ہے تجھے اے جنبشِ موجِ نفس　　جس پہ نظریں تھیں مری کل تک وہ دم کیا ہوا؟
چھپ گیا جا کر کہاں چرخِ اخوت کا ہلال　　رہبرئ ملک و ملت کا وہ پرچم کیا ہوا؟
گرم بازاری سعیٔ ارتقا کیوں سرد ہے　　گر پڑی کیوں عزمِ مستحکم پہ شبنم کیا ہوا؟
رو رہی ہے کیوں شگفتِ لالہ و گل کو بہار　　لے رہی ہے منہ پہ شبنم چادرِ غم، کیا ہوا؟
کون اُڑا کر لے گیا سر سے قیادت کا جنوں　　آگیا ہے کیوں خرد کے پاؤں میں خم کیا ہوا؟
بہہ رہا ہے ہر طرف کیوں بے گناہوں کا لہو　　غیرتِ انسانیت وہ تیرا دم خم کیا ہوا؟
تنکا تنکا خرمنِ دل کا، بجبر و اختیار　　کر رہا ہے بجلیوں کا خیر مقدم کیا ہوا؟
کس کے دُزدیدہ تبسم نے لگائی ہے یہ آگ　　کیوں سُلگ اُٹھا ہے قلبِ ابنِ آدم کیا ہوا؟
جو ہر حُسنِ وفا، وہ روحِ احساسِ لطیف　　پیکرِ انسانیت کا جزوِ اعظم کیا ہوا؟
نام جس کا سنتے ہی زخموں کے بھر جاتے تھے منہ　　کیا ہوا اے چارہ سازو! اب وہ مرہم کیا ہوا؟
کن منظم سازشوں کا ہو گئی دنیا شکار　　ہو گیا کیسا نظامِ ہند برہم کیا ہوا؟

صبح سے تا شام طرفہؔ بس اسی کا ہے ملال
ہم نے کیا سوچا تھا اور یہ نظمِ عالم کیا ہوا؟

عالمِ نو

یہ کشت و خوں کا عالم، یہ ہوس کی گرم بازاری
یہ آتش ریز طیارے یہ توپیں اور بمباری

یہ فاقہ، یہ گرانی، دورِ یہ قحط الرجالی کا
یہ عالم نونہالانِ وطن کی پائمالی کا

یہ ہر ہر گام پر پابندیاں قانون زادوں کی
یہ ہر ہر سانس پر تکمیل تثلیثی ارادوں کی

یہ ظلم آرائیاں یہ جور و استبداد کا عالم
یہ ابنائے وطن کی غم اثر فریاد کا عالم

یہ قہر و جبر یہ ظلم آفرینی یہ شرر باری
یہ ہنگامے قیامت کے، یہ شعلے یہ تبہ کاری

نہیں معلوم کب آئے گی دنیا اصل حالت پر
خرد کب قہقہہ زن ہو گی اس دورِ جہالت پر

نہیں معلوم ہو گا منقطع کب سلسلہ غم کا
سنوارا جائے گا شیرازہ کب اس بابِ ماتم کا

نہیں معلوم کب ہموار ہوں گی امن کی راہیں
اثر کی گود گرمائیں گی کب بیواؤں کی آہیں

نہیں معلوم کب سر در گریباں ہوں گے دیوانے
ڈھلیں گے مستقل آبادیوں میں کب یہ ویرانے

یہ ہندستاں، جہاں کی خاک کو اکسیر کہتے ہیں
یہ ہندستاں، جسے ہر قوم کی جاگیر کہتے ہیں

یہ ہندستان جس میں "کرشن جی" نے جلوے فرمائے
یہ ہندستاں جہاں محمود غزنی کے قدم آئے

یہ ہندستاں جہاں گوتم، جنک، دسرتھ ہوئے پیدا
یہ ہندستاں، جہاں کی خاک سے راجہ اشوک اٹھا

یہ ہندستاں جو مسکن رہا ہے سورماؤں کا
یہ ہندستاں منہ پھیرا ہے جس نے سو بلاؤں کا

یہ ہندستاں جہاں بابر نے برسوں بادشاہت کی
یہ ہندستاں ہمایوں کی جہاں جاہ و جلالت تھی

یہ ہندستاں، کیا ہے خیر مقدم جس نے اکبر کا
یہ ہندستاں، رہا جو آئینہ بن کر سکندر کا

یہ ہندستاں، جہاں حیدر علی کا بول بالا تھا
یہ ہندستاں، جہاں سلطان ٹیپو کا رسالا تھا

یہ ہندستاں، جہاں شاہِ جہاں کی بادشاہت تھی
یہ ہندستاں، جہاں اورنگ زیبی جاہ و حشمت تھی

یہ ہندستاں، جہانگیری جہاں آواز اٹھی تھی
یہ ہندستاں رنگیلے کی جہاں تلوار چمکی تھی

یہ ہندستاں، جہاں "نورِ جہاں" تھی نورِ جاں پرور
یہ ہندستاں، جہاں تھی چاند سلطانہ سی ہمت ور

یہ ہندستاں، جہاں آیا تھا احمد شاہ ابدالی
یہ ہندستاں، جہاں قاسم نے وحدت کی بنا ڈالی

یہ ہندستاں، جہاں ٹیگور نے نغمے بکھیرے ہیں
یہ ہندستاں، جہاں سیماب نے موتی لٹائے ہیں

یہ ہندستاں، جہاں تقدیر بھی کروٹ بدلتی ہے
یہ ہندستاں، جہاں کی سرزمیں سونا اگلتی ہے

یہاں، اور ناؤ کاغذ کی چلے، اللہ رے محرومی
یہاں، اور ظلم کی ٹہنی پھلے، اے وائے محکومی!!

❖ ❖ ❖

جہاں میں ہوں

ایاغِ ستمِ قاتل ہر گلِ تر ہے جہاں میں ہوں
وہاں ہر بسمل کی رگ تیر و نشتر ہے جہاں میں ہوں

خزاں خوردہ ہر اک نخلِ صنوبر ہے جہاں میں ہوں
وہاں ہر گام پر کانٹوں کا بستر ہے جہاں میں ہوں

وہاں بہتی ہیں سوئے مغرب نقرئی نہریں
مگر مزدور کی قسمت میں پتھر ہے جہاں میں ہوں

نظر میں زہر، ہونٹوں پر تبسم، بات میں نرمی
وہاں رہبر بھی رہزن کے برابر ہے جہاں میں ہوں

گلوگیرِ شرافت ہے رذالت اہلِ ثروت کی
وہاں ہر خیر کا انجام اک شر ہے جہاں میں ہوں

وہاں مجبور کی فریاد ہے اہمال میں داخل
وہاں پنبہ بگوشی کارِ بہتر ہے جہاں میں ہوں

سلف کے کارنامے قہقہوں کی زد پہ ہیں لرزاں
تباہی کا نشانہ آج ہر گھر ہے جہاں میں ہوں

پلایا جا رہا ہے خون انساں کا درندوں کو
وہاں ہر بھیڑیا جنگی غضنفر ہے جہاں میں ہوں

وہاں ہر آدمی ہے آدمی کے خون کا پیاسا
وہاں انساں کا انساں کو ڈر ہے جہاں میں ہوں

اُڑائی جا رہی ہے معبدوں میں خاکِ نخوت کی
غبار آلودہ ہر محراب و منبر ہے جہاں میں ہوں

وہاں ہر بوالہوس ہے مدعی اپنی نبوت کا
وہاں کا بچہ بچہ ابنِ آزر ہے جہاں میں ہوں

وہاں ذلت بداماں ہر ادیب اور ہر مفکر ہے
وہاں طرفہ سا شاعر غم کا پیکر ہے جہاں میں ہوں

دوشیزۂ جنگ

مغرب سے بڑا شور مچاتی ہوئی آئی
جُنبش میں اک آندھی کو لاتی ہوئی آئی

چہرے سے عیاں شعلۂ جذبات کی حدت
آگ اور پسینے میں نہاتی ہوئی آئی

بکھرے ہوئے بالوں میں کُہستان کے جگنو
خود جلتی ہوئی آئی جلاتی ہوئی آئی

رفتار میں اُمڈے ہوئے دریا کی روانی
خاشاک و خس و خار بہاتی ہوئی آئی

آنکھوں میں شجاعت کے چھلکتے ہوئے ساغر
نظروں سے مئے جوش پلاتی ہوئی آئی

ہونٹوں کے تبسم میں دہکتی ہوئی آتش
مشرق کی طرف آگ لگاتی ہوئی آئی

پیشانیٔ شفّاف پہ کچھ گردِ حوادث
بادل کی طرح شور مچاتی ہوئی آئی

کُشتوں کے لگے پُشتے ہر اک سمت جہاں میں
تلوار، تبر، توپ چلاتی ہوئی آئی

دوشیزۂ جنگ اُف یہ تری مست جوانی!
پتھر بھی جسے دیکھ کے ہو جاتا ہے پانی

❖ ❖ ❖

میرے ساقی!

داغِ ناکامیٔ حسرت کو مٹا لوں تو پیوں
رگِ احساس پر اک ضرب لگا لوں تو پیوں
عظمتِ رفتہ پہ دو اشک بہا لوں تو پیوں
غمزدہ روحوں کو جی بھر کے ہنسا لوں تو پیوں
میرے ساقی ترے قربان ابھی مجبور نہ کر!

چاند کی کرنوں کو سینے میں چھپا لوں تو پیوں
تیرگیٔ غمِ خاطر کو مٹا لوں تو پیوں
دل میں اک انجمنِ ناز سجا لوں تو پیوں
ذرّے کو روکشِ خورشید بنا لوں تو پیوں
میرے ساقی ترے قربان ابھی مجبور نہ کر!

صبحِ کعبہ کی قسم شامِ کلیسا کی قسم
سنگِ اسود کی قسم رنگِ سویدا کی قسم
رام کے من کی قسم عصمتِ سیتا کی قسم

حرم و دیر کی تفریق مٹالوں تو پیوں
میرے ساقی ترے قربان ابھی مجبور نہ کر!

تیری نظریں مرے تقویٰ کی نگہباں، لیکن
تیرے ماتھے کی لکیریں مرا قرآں، لیکن
تیرا گلنار تبسم مرا ایماں، لیکن
ملک کو خوابِ مذلت سے جگالوں تو پیوں
میرے ساقی ترے قربان ابھی مجبور نہ کر!

بادۂ ناب کو شیشوں میں ہی رہنے دے ابھی
مجھے احساس کی موجوں میں ہی بہنے دے ابھی
دلِ غم کوش کو کچھ صدمے ہی سہنے دے ابھی
بزمِ گیتی میں کوئی جشن منا لوں تو پیوں
میرے ساقی ترے قربان ابھی مجبور نہ کر!

کتنی رُوحوں پہ خدا جانے ہے بارِ ادبار
کتنے سینوں میں دہکتی ہیں اُمیدوں کے شرار
کتنے دل ہوں گے نہ جانے غمِ دوراں کا شکار

پہلے ان سب پہ میں دو اشک بہالوں تو پیوں
میرے ساقی ترے قربان ابھی مجبور نہ کر!

علمِ حریتِ ملک اُٹھانا ہے مجھے
خون پانی کی طرح اپنا بہانا ہے مجھے
ہند کو غیرتِ فردوس بنانا ہے مجھے
جوہرِ تیغِ وفا سب کو دکھالوں تو پیوں
میرے ساقی ترے قربان ابھی مجبور نہ کر!

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

آزادی

بربریت تھام لے جس کے مقاصد کی زمام
منتشر جس میں اقلیت کا ہو جائے نظام

جس میں کشتِ آرزو کو چاٹ جائیں ٹڈیاں
جس میں پیدا خرمنِ امید سے ہوں بجلیاں

جس میں دشمن شانتی کے نامہ و پیغام لائیں
قاصدوں کے بھیس میں رہزن کبوتر بن کے آئیں

جس میں ہر ذرے کا دل ہو مرکزِ خوف و ہراس
بے ضرورت جس میں سمجھی جائے ہر عرض و سپاس

جس میں ڈس سکتا نہ ہو انگڑائی تک مرغِ نفس
طائرِ آزاد کو ہو آشیانہ بھی قفس

جس میں کمزوروں کو آنکھیں لوگ رہ رہ کر دکھائیں
مصلحینِ وقت اُٹھ اُٹھ کر نہتوں کو دبائیں

جس میں سینہ تان کر میداں میں آ جائے فساد
بھر دے ہندو اور مسلم کے دلوں میں جو عناد

جس میں چپے چپے پر ہو جابروں کا اقتدار
پُرفشاں ہو موت بن کر جس میں قومی انتشار

قتل و غارت کشت و خوں کی جس میں ہو ہر سمت دھوم
گھیر لے جا کر ٹرینوں کو لٹیروں کا ہجوم

دن دہاڑے دیویوں کی جس میں ہو بے عزتی
جس میں اغوا سہل ہو، آسان ہو عصمت دری

اک جگہ جس میں نہ ہو گبر و مسلماں کا نباہ
ہر طرف آئے نظر مسدود سی راہِ پناہ

مسجد اور مندر کے دروازے مقفل جس میں ہوں
وید اور قرآن کے پارے مقفل جس میں ہوں

عورتوں پر ہاتھ جس میں سورماؤں کا اٹھے
بے گناہوں کے لہو سے پیاس خنجر کی بجھے

جس میں نیزوں پر چڑھائے جائیں بچے شیرخوار
کاغذی ہونٹوں پہ جن کی سانس دے تیغوں کی دھار

جس میں کٹ جائے زعیمانِ سیاست کی پتنگ
قائدینِ ملک کے ہاتھوں پہ لگ جائے کلنک

ایسی آزادی وطن کو راس آ سکتی نہیں
ملک کو اپنے تباہی سے بچا سکتی نہیں

زنجیرِ عمل

یہ مرا دوشِ عمل اور یہ اساسِ تقدیر! — پانی پانی ہُوا جاتا ہے فرشتوں کا ضمیر
میری تخئیل کے ہوں کیوں نہ دو عالم نخچیر — میں نے باندھے ہیں تخیّل کے پر و بال میں تیر
تشنگیٔ دلِ پُرسوز ذرا بڑھنے دو — دیکھ لُوں گا کفِ جبریلؑ میں زمزم کی لکیر
میری آہوں میں جھلتے ہوئے بادل ہونگے — میری اشکوں میں ہنسے گا مرا خود دار ضمیر
اپنی پلکوں پہ کروں گا میں چراغانِ بہار — جگمگائیں گے مری بزم میں تاروں کے ضمیر
گرمیٔ جذبۂ خاطر کا فسوں تو دیکھو — بن گئی ہے مری فریاد بپھر کر تاثیر
ماورا حدِ تخیّل سے ہے منزل میری — بس کہ ہوں مملکتِ حُسنِ خود آرا کا سفیر
میرا ہر نقشِ قدم راہبرِ منزلِ شوق — میری راہوں میں بھٹکتا نہیں کوئی رہگیر
این و آں سے مری دنیائے تفکر کو غرض! — ایک سے ہیں مرے نزدیک صغیر اور کبیر
آہ کے شعلوں کو یخ بستہ لبوں پہ نہ اچھال — یہ دکھا سکتے نہیں گرمیٔ حُسنِ تاثیر
اتنا آوارہ نہ ہوتا کبھی انساں کا وجود — وقت کے پاؤں میں ہوتی جو عمل کی زنجیر
تُم نے ہر مجرمِ خونی کو رہا کر تو دیا — اور وہ اشک، جو ہیں پنجۂ مژگاں میں اسیر!!
اب مرے بعد کسی کی نہ سُنے گی دُنیا — کہہ گیا انجمنِ عالمِ صغریٰ کا مشیر

مردِ مومن دگرے مردِ مسلماں دگرے
حُسنِ پنہاں دگرے حُسنِ نمایاں دگرے

لیڈر

نغمہ پردازِ سیاست اے مشیرِ حریت!
تیری نَے کا زیر و بم ہے آشنائے مملکت

تیرے ہر جملے میں روشن ہے سیاست کا چراغ
تجھ کو قدرت نے دیا ہے اہلِ یورپ کا دماغ

تو ملا سکتا ہے آنکھیں برقِ شعلہ بار سے
آگ بجھ سکتی ہے تیری گرمئ گفتار سے

تیرے ہر فقرے میں پنہاں ہیں ہزاروں انقلاب
تو الٹ سکتا ہے آزادی کے چہرے سے نقاب

جادہ پیمائے صداقت ہو ترا عزمِ جواں!
قوم تیری کارواں ہے اور تو میرِ کارواں

دوڑتا آئے زمانہ تیری اک آواز پر
گیت آزادی کے گائے مملکت کے ساز پر

ہوں فلاحِ قوم کی راہیں اگر پیشِ نظر،
تو نکل سکتا ہے باطل کی صفوں کو چیر کر

دیوِ استبداد کو نیچا دکھا سکتا ہے تو،
آدمی کیا، شیر سے پنجہ لڑا سکتا ہے تو

تیری تقریروں میں ہو پہلو اگر تعمیر کا!
آج بھی محبوب ہے تو ہر جوان و پیر کا

خدمتِ خلقِ خدا میں اٹھے گر تیرا قدم
اپنے نقشِ پا پہ رکھ سکتا ہے بنیادِ حرم

جادہ پیمائے فلاحِ قوم ہو تیری نظر!
قوم سجدہ ریز ہو سکتی ہے تیری پاؤں پر

دینے والے قوم کو ترغیبِ آزادئ ملک!
سن بتاتا ہوں تجھے ترکیبِ آزادئ ملک

قوم کی قسمت تری تقدیر ہونی چاہئے
پہلے تیرے ہاتھ میں شمشیر ہونی چاہئے

تو نے جس آئین پر رکھی تھی بنیادِ یقیں
کھو گیا ہے اب وہ تیرا اعتمادِ اوّلیں

کس طرح ہو دُور تجھ سے انتشارِ بزمِ قوم!
کس طرح ہو ہاتھ میں تیرے عنانِ بزمِ قوم

کس طرح حاصل ہو عالمگیر تجھ کو تمکنت
کس طرح تُو ہو سریر آرائے بزمِ سلطنت

تیری تقریریں لچر ہیں تیرا خطبہ خام ہے
مُشتعل لوگوں کو کرنا صرف تیرا کام ہے

اپنے فرمودات پر تو خود عمل پیرا نہیں
ہے زباں گویا تری افسوس دل گویا نہیں

جس کے دل میں قوم کا ہوتا ہے جذبہ جاگزیں
کھینچ لیتی ہے اُسے بیت المقدّس کی زمیں

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

قوتِ عمل

سوز کی پرواز نظروں سے دکھا سکتا ہوں میں
شمع کے آنسوؤں کو پروانہ بنا سکتا ہوں میں

ہر شکستہ موج سے طوفاں اُٹھا سکتا ہوں میں
ذرّے ذرّے کو لبِ ساحل نچا سکتا ہوں میں

آبِ حیواں تشنہ کاموں کو پلا سکتا ہوں میں
زندگی کو موت کے مُنہ سے بچا سکتا ہوں میں

اوس کے قطروں سے کر سکتا ہوں پھولوں کی نمود
خارزارِ دہر کو جنّت بنا سکتا ہوں میں

جن کو سُن کر خود مغنّئ ازل ہو بے قرار
ایسے بھی کچھ گیت سازِ دل پہ گا سکتا ہوں میں

زلفِ شبگوں کی قسم رنگِ سویدا کی قسم
نور بن کر چاند کے ہالے پہ چھا سکتا ہوں میں

میری آہیں شعلہ ساماں میرے نالے برق ساز
آگ خود اپنے نشیمن کو لگا سکتا ہوں میں

دیکھنے والے مجھے خنداں فرازِ طور پر!
طور ہی کیا عرش پر بھی مُسکرا سکتا ہوں میں!!

چھیڑ کر سوز آفریں نغمے ربابِ موج پر
ہر بھنور کی گود میں دیپک جلا سکتا ہوں میں

میری ہمت سنگِ آہن میری ہستی اک چٹان
آبشاروں کی روانی میں نہا سکتا ہوں میں

کارفرما ہی نہیں طرفہ عمل کی قوتیں
ورنہ ناممکن کو بھی ممکن بنا سکتا ہوں میں

عرفانِ خودی

زینتِ ایمن بھی ہم ہیں رونقِ سینا بھی ہم
رکھتے ہیں اپنی نظر میں طور کا جلوا بھی ہم

ہم ڈھولی ہیں جنوں میں دشت و گلشن کی رگیں
ہیں چمن پیما بھی ہم اور بادیہ پیما بھی ہم

ہے ہماری جست ہی کا ارتقا کا نام عرش
پستیِ تحت الثریٰ ہم عالمِ بالا بھی ہم

ہے جنوں کی رونمائی اپنی دانش کا کمال
عقل ہم ادراک ہم وحشت بھی ہم سودا بھی ہم

ہے ہمارے دم قدم سے باغِ عالم کی نمود
گل بھی ہم غنچہ بھی ہم سبزہ بھی ہم کانٹا بھی ہم

کیا ہوا اپنے درد کا درماں ہمیں معلوم ہے
زخم ہم مرہم بھی ہم نشتر بھی ہم چارا بھی ہم

ہم نہ ہوتے تو نہ ہوتا بادہ و مستی کا دور
جام ہم میخوار ہم ساقی بھی ہم مینا بھی ہم

لحنِ داؤدی ہمارے سوز کا ہے اختراع
ساز ہم سازندہ ہم مطرب بھی ہم نغما بھی ہم

شمع کی لو، سوزِ پروانہ سے کیا ہو ساز باز
شمع ہم پروانہ، بزمِ ستم آرا بھی ہم

نجد کے ذرات سے پوچھو ہماری داستاں
قیس ہم ناقہ بھی ہم محمل بھی ہم لیلیٰ بھی ہم

اپنی کشتی کیوں ہو رہنِ بادبان و ناخدا
موج ہم طوفان ہم ساحل بھی ہم دریا بھی ہم

کیسا جلوہ، کس کا جلوہ، کیسی حیرت، کیسا غش!
برق ہم موسیٰؑ بھی ہم ایمن بھی ہم سینا بھی ہم

زندگی

زیرِ تیغِ ظلم جب تک ہو نہ غیرت کا گلو — چشمِ مہر و ماہ سے جبتک نہ جاری ہو لہو
تیرگی جبتک فضاؤں میں نہ آجائے نظر — پھول کے پہلو میں ہو جبتک نہ پتھر کا جگر
بزمِ انجم پر مسلط ہو نہ جبتک ارتعاش — سینۂ گردوں نہ ضربِ آہ سے ہو پاش پاش
خنجرِ قوسِ قزح حلقوم پر جبتک نہ ہو — اور آہِ گرم جبتک چھو نہ آئے عرش کو
سینۂ کہسار سے جبتک نہ کچھ شعلے اٹھیں — سنگریزوں سے نہ جبتک آگ کے چشمے بہیں
آگ کے شعلوں سے ہو جبتک نہ تزئینِ چمن — جذب ہو جبتک رگِ گل میں نہ سورج کی کرن
ماحصل صبر و سکوں کا ہو نہ جبتک اضطراب — ہر نفس جبتک نہ ہو جائے اسیرِ پیچ و تاب
ہو پیامِ عیش میں جبتک نہ کلفت کی نوید — خنجرِ قاتل نہ ہو جبتک ہلالِ روزِ عید
خانہ ویرانی پہ آمادہ نہ ہو جبتک جنوں — پھول سے مسکن میں ہوں جبتک نہ کانٹوں کے ستوں
تیر سی کھٹکے نہ جبتک دل میں سورج کی کرن — نشۂ امن و سکوں جبتک نہ ہو جائے ہرن
وصل کا پیغام بھی جبتک نہ ہو وجہِ فراق — پھول سی گفتار بھی جبتک نہ گزرے دل پہ شاق
اوس کی قطروں میں لیں طوفاں نہ جبتک کروٹیں — ٹوٹ جائیں خود نہ جبتک ناخدا کی ہمتیں
لگ نہ جائے شاہدِ فطرت کا جبتک کچھ سراغ — عرش پر جبتک نہ ہو ذوقِ فراواں کا دماغ
ہو نہ جبتک عشق کے ہاتھوں میں نبضِ کائنات — دوڑے جبتک ہر رگ و پے میں نہ روحِ ممکنات

زندگی اُس وقت تک اپنی برائے نام ہے
زندگی دراصل اک مجموعۂ آلام ہے

بھول جا

سرمایۂ نشاطِ فراواں کو بھول جا　　دو دن کے انبساط کے ساماں کو بھول جا
بے سود دلکشیٔ گلستاں کا ہے خیال　　لطفِ بہار و سیرِ گلستاں کو بھول جا
ساحل کے دلنواز نظارے نہ یاد کر　　امواجِ بحر و شورشِ طوفاں کو بھول جا
وہ چاندنی وہ مست نگاہوں کا زیر و بم　　تاروں کو بھول جا مہِ تاباں کو بھول جا
وہ میری تیرے عشق میں وحشت طرازیاں　　دامن کی دھجیوں کو گریباں کو بھول جا

میں نے بھی سب کو دل سے فراموش کر دیا
اب تو بھی عیشِ رفتۂ دوراں کو بھول جا

ساحل کے دلنواز نظاروں میں کچھ نہیں　　امواجِ مرمریں کے کناروں میں کچھ نہیں
تاروں میں کچھ نہیں ہے ستاروں میں کچھ نہیں　　خورشید و مہ کی راہگزاروں میں کچھ نہیں
کیوں تو شگفتِ غنچہ سی ہے دل میں باغ باغ　　دو دن کی چلتی پھرتی بہاروں میں کچھ نہیں
سبزے کا لہلہانا یہ کھیتوں کا رنگ روپ　　اِن ختم ہونے والے نظاروں میں کچھ نہیں
یہ بزم اور یہ پھولوں سی مہکی ہوئی فضا　　تازہ شگفتہ پھولوں کی ہاروں میں کچھ نہیں

میں نے بھی سب کو دل سے فراموش کر دیا
اب تُو بھی عیشِ رفتۂ دوراں کو بھول جا

اے دوست عہدِ رفتہ کی ہے جستجو فضول　　　　گزری ہوئی بہار کی ہے آرزو فضول
وہ دن نہیں رہے وہ زمانہ نہیں رہا　　　　اب اُن دنوں کی مجھ سے نہ کر گفتگو فضول
مجھ کو بھی کر دے اپنے تغافل سے ہمکنار　　　　تُو میری اب تلاش نہ کر کو بکو فضول
اپنے شباب اپنی جوانی پہ رحم کھا　　　　گیسو بدوش پھر نہ لبِ آبجو فضول
یہ گلستانِ دہر فریبِ خیال ہے　　　　اس گلستانِ دہر کے ہیں رنگ و بو فضول

میں نے بھی سب کو دل سے فراموش کر دیا
اب تُو بھی عیشِ رفتۂ دوراں کو بھول جا

⁂ ⁂ ⁂

قائدِ اعظم کے دشمن سے

(۲۶ جولائی ۱۹۴۳ء کو قائدِ اعظم محمد علی جناح پر قاتلانہ حملے کی خبر پاکر)

جس کے ہاتھوں کی لکیروں پر سیاست کی اساس
جس کا قامت ہے پہننے کو حکومت کا لباس

جس کی شامیں مطلعِ خورشید کی آئینہ دار
جس کی صبحیں ہیں فروزاں جس کی راتیں نور بار

جس کا ہر جملہ بیاضِ زندگی کا ایک باب
جس کا ہر فقرہ سیاست کی مکمل اک کتاب

ہر تکلم میں نہاں ہے جس کے پیغامِ سروش
ہر سخن میں جس کے پنہاں قوم کا جوش و خروش

ذرہ ذرہ ہند کا جس کا انیس و غمگسار
جس نے حاصل کر لیا دنیا میں ذہنی اقتدار

جس نے گاندھی جی کی نظروں میں بنایا اپنا گھر
جس کو نہرو جی نے مانا ماہرِ علم و ہنر

ہاتھ رکھے جس کے سر پر جوہرِ والاتبار[1]
جس کی پیشانی پہ ہو بیت المقدس کا نکھار

جس کو ذہنی ارتقا کا ملک لوہا مان لے
اک نظر میں جو سیاست کی رگیں پہچان لے

دل کشادہ جس سے ہندستان کا ہر لیڈر رہے
جس کی آگے سر زعیمانِ سیاست کا جھکے

"رہبرانِ ملک" جس کو اپنی آنکھوں پہ بٹھائیں
دہر کے خوددار جس کے آستاں پر سر جھکائیں

جس کی آنکھیں ہوں شرابِ دردِ ملت کے ایاغ
جس کی پلکوں پر فروزاں ہوں محبت کے چراغ

جس کے سینے میں ہوں سوزِ حسّاسِ دل کی تابشیں
ہوں نمایاں جس کی پیشانی پہ قومی رفعتیں

[1] مولانا محمد علی جوہر۔

جس کو ہر طبقے سے اُلفت جس کو ہر فرقے سے پیار　　دُور جس نے بزمِ ملت کا کیا ہوا انتشار
جس کی ہر آواز میں مضمر ہو بادل کی گرج　　جس کے ہلکے سے تبسم میں ہو بجلی کی اُپج
جس کو قدرت نے ودیعت اس قدر کی ہوں صفات
اُس پہ حملہ، اُس پہ یورش، اُس سے گستاخانہ بات؟
ایسی ہستی پر ہوا تو حملہ آور بے ہُنر!　　حیف ہے ہمت پہ تیری تُف ہے تیرے عزم پر
جانتے ہیں ہم تجھے، آدم نما حیواں ہے تو　　آدمی کے بھیس میں ابلیس ہے شیطاں ہے تو
کہکے اپنے آپ کو لاہور کا اک خاکسار　　اہلِ ملت کو لڑانا چاہتا ہے نابکار؟؟
بے ادب، بدکار، بدطینت، کمینے، بدخصال　　تیرے سر پر کیوں درخشاں ہے "اخوت" کا ہلال!
خاکسار، اور خونِ مسلم سے ہو رنگیں آستیں!　　حیدری رضؓ تلوار اُٹھتی ہے مسلماں پر کہیں؟
اپنے ہاتھوں خودکشی کا عزم کرنا چاہیئے
موت سے پہلے ہی تجھ کو ڈوب مرنا چاہیئے

غمِ دوراں

(مہاتما گاندھی کے قتل کی اطلاع پاکر)

بیٹھا ہے کون نزدِ گلستاں اُداس اُداس
پتّے اُداس اُداس ہیں کلیاں اُداس اُداس

کس کو ڈبو دیا گردشِ گردابِ وقت نے؟
موجیں اُداس اُداس ہیں طوفاں اُداس اُداس

کس کا وجود ہو گیا نذرِ حوادثات؟
رستے اُداس اُداس ہیں گلیاں اُداس اُداس

کس نے اُلٹ دی اُٹھ کر بساطِ شہنشہی؟
درباں اُداس اُداس ہیں ایواں اُداس اُداس

کس راہ پر ہے آج ہمارا کاروانِ مُلک؟
ناقے اُداس اُداس حدی خواں اُداس اُداس

اب وہ کہاں لطافتِ دیوانگیٔ شوق؟
صحرا اُداس اُداس، بیاباں اُداس اُداس

گونجے فضا میں کس طرح شعر و سخن کی لَے؟
شاعر اُداس اُداس غزل خواں اُداس اُداس

موسم بقدرِ شوق، نہ ساقی ہے خندہ لب
میخوار اُداس اُداس خمستاں اُداس اُداس

بہلائے کس سے دل، مرا دستِ جنونِ شوق؟
دامن اُداس اُداس، گریباں اُداس اُداس

کیسا یہ انقلاب، یہ کیسی ہوا چلی؟
ہندو اُداس اُداس مسلماں اُداس اُداس

جی چاہتا ہے رُخِ غمِ دوراں کا پھیر دوں
ان سب اُداسیوں پہ تبسّم بکھیر دوں

(گیت)

پاپی!
کس کو مارا بان؟

(مہاتما گاندھی کے قاتل سے)

کس کو پکارے "باپو" کہکر بھولا ہندستان؟
ڈگر ڈگر اک ہیبت طاری جگہ جگہ ہیجان
نگر نگر سنسان
مٹ گئی ساری شان
پاپی بیری جان
کس کو مارا بان؟ ——— پاپی!

جمنا کنارے لاوا اُبلا دیس کا نکلا دم
کانپ گیا آواز کو سُن کر بھارت کا پرچم
جگت جگت اک غم
کس پر پھینکا بم؟
کہاں پھٹا بر کان؟

کس کو مارا بان؟

پاپی! ——————

پتا پتا نیر بہائے، پالک پالک روئے،
پلک پلک اک طوفان اُٹھے دھرتی پل پل ہوئے
سُکھ کی آشا کھوئے
بیج الم کا بوئے
کیسا تیرا گیان؟
کس کو مارا بان؟

پاپی! ——————

ندی نالے پربت میداں سب کے مُنہ پر خاک
ایک سجن کی موت کے دُکھ میں کتنے سینے چاک
کیا کیا ناپاک!
دیس کی کاٹی ناک
لے لی کس کی جان؟
کس کو مارا بان؟

پاپی! ——————

(گیت)

گوراپنچھی

کر کے ہمارے مَن کے ٹکڑے گوراپنچھی بھاگ گیا
ایسے سمٹ کر پنکھ پسارے پتا پتا جاگ گیا
ہم کو لگن میں ڈال دیا اور آپ یونہی بڑلاگ گیا

ہوگوراپنچھی بھاگ گیا

پچھوا مورکھ نظر بچا کر من کی کلیاں لُوٹ گئی
پت جھڑ کی رُت ایسی آئی ساری آشا ٹُوٹ گئی
پیتم پیتم پیتم کی وہ تان گئی وہ راگ گیا

ہوگوراپنچھی بھاگ گیا

لاکھ آئیں گِھر گِھر کے بادل لاکھ گھٹائیں روئیں
چپہ چپہ جل تھل ہووے ڈبرے[1] آنکھیں کھوئیں
برسوں بجھائے جو نہ بجھے وہ ڈال کے من میں آگ گیا

ہوگوراپنچھی بھاگ گیا

[1] بستی سے باہر کے وہ چھوٹے چھوٹے گڑھے جو برسات کے پانی سے بھر جاتے ہیں (طرفہ)

رات کو اندھیارے اُجیالے چاہے جہاں اب آؤ جاؤ
نام ہری کا لے کر طرفہ گاؤ، بجاؤ رنگ جماؤ
ڈرتے تھے پھنکارے جس کی اب وہ ظالم ناگ گیا
ہو گورا پنچھی بھاگ گیا

قطعہ

سوادِ شامِ تنہائی کو رخشاں دیکھ لیتا تھا
خزاں کی گود میں صبحِ بہاراں دیکھ لیتا تھا
میں اُس نبّاضِ[1] فطرت کے غلاموں میں ہوں اے طرفہ
جو "اک[2] قطرہ اُٹھا کر نبضِ طوفاں دیکھ لیتا" تھا

---

[1] اُستادی علامہ سیماب مغفور۔ [2] "میں اک قطرہ اُٹھا کر نبضِ طوفاں دیکھ لیتا ہوں"
(سیماب رح)

سیمابؒ[۱]

رونقِ محفلِ فن تھا سیمابؒ — نورِ مصباحِ سخن تھا سیمابؒ
رنگ اس کا تھا نرالا سب سے — لالۂ باغِ سخن تھا سیمابؒ
صاحبِ طرزِ یگانہ مشہور — ہند سے تا بہ عدن تھا سیمابؒ
شاعری اس کی تھی وجہِ نازش — نازِ اربابِ سخن تھا سیمابؒ
جملہ اصنافِ سخن پر قادر — عالم و فاضلِ فن تھا سیمابؒ
غالبؔ آسا تھا ہر اک پر غالب — میرؔ سا میرِ سخن تھا سیمابؒ
وارثِ ملک و متاعِ وارثؒ — پیروِ آلِ حسنؓ تھا سیمابؒ
اُس کی حسرت تھی مدینے پہنچوں — عاشقِ شاہِ زمنؐ تھا سیمابؒ
داغؔ اسکول کا صدرِ اعظم — جامعہ سازِ سخن تھا سیمابؒ
بیخودؔ و نوحؔ کی آنکھوں کا سرور — دل سے اُستاد کا من تھا سیمابؒ
وحشتؔ اور حضرتِ محویؔ کا رفیق — اَوجِ اقبالِ سخن تھا سیمابؒ
جگرؔ و جوشؔ بھی اُس کے مدّاح — کتنے چہروں کی پھبن تھا سیمابؒ

کہہ دو سر اپنا جھکا کر طرفہ
"شاہِ اقلیمِ سخن تھا سیمابؒ"

---

[۱] شاعرِ تاج علّامہ سیماب اکبر آبادی مرحوم و مغفور

میرے قصرِ رنگیں میں طرفہ تر تماشے ہیں
میں نے سنگِ خارا سے آئینے تراشے ہیں

(طرفہ)

— (۱) —

عزم

آسودۂ مآل و اثر بن کے آؤں گا ۔۔۔ شبنم کا دل گلوں کا جگر بن کے آؤں گا

ہوں گے طلوع جس سے کئی آفتابِ حسن ۔۔۔ وہ کوندتی جبینِ سحر بن کے آؤں گا

کردوں گا گرم و نورفشاں تیری بزم کو ۔۔۔ جگنو کا دل شرر کا جگر بن کے آؤں گا

شامِ جمودِ کہنہ کے بازو جھنجھوڑنے ۔۔۔ خوابیدگانِ غم کی سحر بن کے آؤں گا

بدمست جس سے رہتے ہیں عرفان و آگہی ۔۔۔ وہ اکتسابِ کیفِ نظر بن کے آؤں گا

پلکوں پہ تھرتھراتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ ۔۔۔ تابندگیٔ لعل و گہر بن کے آؤں گا

اک اک قدم پہ گلشنِ ہستی سنوارتا ۔۔۔ موجِ خرامِ بادِ سحر بن کے آؤں گا

جس کا ہر ایک ذرّہ ہو آئینہ دارِ حسن ۔۔۔ وہ رہگزر وہ راہگزر بن کے آؤں گا

ہر پست اور بلندِ دو عالم کو روندتا ۔۔۔ تکمیلِ ارتقائے بشر بن کے آؤں گا

ہوگا مری جِلو میں محبّت کا آفتاب ۔۔۔ ظلماتِ زندگی کی سحر بن کے آؤں گا

باطل کے شعلہ زاروں پہ شبنم بکھیرتا ۔۔۔ روحِ خلیلؑ بارِ دگر بن کے آؤں گا

عزم و یقینِ فطرتِ بیتاب کی قسم ۔۔۔ تیرے حضور تیری نظر بن کے آؤں گا

طرفہ میں قصرِ فکر میں کوثر اچھالتا
شعرِ لطیف و مصرعِ تر بن کے آؤں گا

—(۲)—

میں کیا کہوں تیری قربت کا کس کس کو یہاں پیغام ملا
ہر ذرّہ کلیمِ شوق بنا ہر شئے کو لطفِ کلام ملا
میخانۂ فطرت کے ساقی! یہ ظرف ترا یہ فیّاضی؟
جو تشنہ نہیں محفل میں تری اُس کو بھی چھلکتا جام ملا
عرفاں کے دریچے ایسے کُھلے ہر پردہ اُٹھا ہر جہل مٹا
ہر سو نظر آئے جلوے ترے ہر سمت نیا پیغام ملا
ایسے بھی مقدر والے تھے دُنیا میں ہزاروں لاکھوں جنھیں
تُو دن کو ملا، تُو شب کو ملا، تُو صُبح ملا، تو شام ملا
کلیوں کی چٹک میں تیری صدا پُھولوں کی مہک میں تیری ادا
ہر شاخ میں تیری لچک دیکھی ہر برگ پہ تیرا نام ملا
اے چارہ گرِ ہر رنج و الم تو واقعی جانِ حکمت ہے
آتے ہی زباں پر نام ترا تسکین ہوئی آرام ملا
جو بات سمجھ سے باہر تھی وہ بات سمجھ میں آکے رہی
تو علم و یقیں کی دُنیا میں تغلیط کُنِ اَوہام ملا

یہ لالہ وگل، یہ آب و ہوا، یہ چاند ستارے نور وضیا
سے تیری محبت کے صدقے کیا کیا نہ ہمیں انعام ملا
طرفہ کا کلامِ پاکیزہ، اللہ غنی اللہ غنی!
ہر مصرعے میں توحید ملی ہر شعر میں اک الہام ملا

—— (۳) ——

تری جناب میں جو ذرہ باریاب ہُوا　　بلند ہو گیا اتنا کہ آفتاب ہُوا
عرق عرق چمنِ دہر کی بہاریں ہیں　　یہ کس کا چہرۂ گلرنگ بے نقاب ہُوا!
نگار خانۂ فطرت کے آئنوں کی قسم　　جواب اپنا ترا حُسنِ لاجواب ہُوا
ترے جمال کو اللہ اور چمکائے　　تری گلی کا ہر اک ذرہ آفتاب ہُوا
یہ تیرا فیضِ توجہ نہیں تو اور کیا ہے؟　　جو تیرے سامنے آیا وہ لاجواب ہُوا
نہ تھی ممانعت اپنے لئے وہاں کوئی　　ہمیں ہی سامنے جاتی ہوئی حجاب ہُوا
ہر ایک شغل سے نفرت سی ہو گئی مجھ کو　　تمھارے ذکر سے لیکن نہ اجتناب ہُوا
خیال تھا تری قربت کبھی تو ہو گی نصیب　　مگر نصیب سے وہ بھی خیال خواب ہُوا
چلو طواف کریں کوئے یار کا طرفہ
دُعا قبول ہوئی نالہ مستجاب ہُوا

(۴)

وہ تیری توبہ شکن نگاہیں وہ عشق پرور شباب تیرا
وہ میری اُلفت کا دَورِ رنگیں وہ چہرۂ حُسن تاب تیرا

وہ ذرّے ذرّے کی نور پوشی وہ قطرے قطرے کی جذب کوشی
وہ بہکی بہکی تری نگاہیں وہ نکھرا نکھرا شباب تیرا

ابھی ہیں ظرفِ جگر میں گنجائشیں بہت اضطراب و غم کی
کچھ اور تھوڑا سا درد دیدے کہ درد ہے کامیاب تیرا

جلال پرور جمال تیرا جو دیدے اک دن مجھے اجازت
تو آرزو ہے کہ میں بھی دیکھوں اُلٹ کے ظرفِ نقاب تیرا

ہوائیں رُک رُک کے چل رہی ہیں بہار شاخوں پہ جھولتی ہے
ہے ایسا کچھ دلفریب منظر کہ جیسے نکھرا شباب تیرا

گُلوں کی رنگت نکھر چکی ہے روش رُوش اب سنور چکی ہے
چھلک پڑا ہے کلی کلی سے چمن میں رنگِ شباب تیرا

مری نگاہوں کا کیوں نہ مرکز ہو تیرا حسنِ ملیح ظرفؔ
ادائیں شوخی نظر میں جادو لئے ہوئے ہے شباب تیرا

نظر جما کر خود اپنے دل پر یہ سوچ میں پڑ گیا ہے طرفہ
کہاں ہے ایمن کہاں ہے سینا، کہاں اٹھا ہے نقاب تیرا!

—— (۵) ——

فروغِ نقشِ کفِ پائے یار بن کے رہوں گا　　چراغِ منزلِ گردوں وقار بن کے رہوں گا

جنوں نواز ہوائے بہار بن کر رہوں گا　　نسیمِ صبح کے دامن کا تار بن کے رہوں گا

گلوں میں مستی رچائے گا میرا رنگِ تبسم　　چمن میں شوخیٔ موجِ بہار بن کے رہوں گا

لرز اٹھے گا مرا نام سن کے عرشِ علیٰ بھی　　ستم رسیدہ دلوں کی پکار بن کے رہوں گا

سکوں ملے گا مرے سائے میں تڑپتے دلوں کو　　جہاں میں رحمتِ پروردگار بن کے رہوں گا

فرشتے میرے تقدس کا اعتراف کریں گے　　جبینِ جلوہ کشِ حسنِ یار بن کے رہوں گا

مرا وجود رہے گا مثالِ حرزِ رگِ جاں　　کبھی نہ سینۂ گیتی پہ بار بن کے رہوں گا

لگائے گا مجھے سینے سے مسکرا کے زمانہ　　ہر اک نگاہ ہر اک دل کا پیار بن کے رہوں گا

جہاں میں ہوگا مری مسکراہٹوں سے چراغاں　　جبینِ عرشِ بریں کا نکھار بن کے رہوں گا

مری نوائے محبت سے گونج اٹھے گی دنیا　　نفیرِ انجمنِ روزگار بن کے رہوں گا

نہ ہوگا دل مرا اب رہینِ اضطرابِ مسلسل　　سکون بن کے رہوں گا قرار بن کے رہوں گا

نہیں ہے طرفہ کوئی اس سے بڑھ کر اور عبادت　　خدا کے بندوں کا خدمت گزار بن کے رہوں گا

— (۶) —

بدلنے والا تھا غم کے ہاتھوں ہر ایک نقشہ مری خوشی کا
مگر توجہ تری سلامت، نکھر گیا رنگ زندگی کا

زمیں کو حیرت فلک کو سکتہ فرشتے عبرت کشِ نظارہ
تحیّر افزائے خلق نکلا بگڑ کے بن جانا آدمی کا

نہیں اگر چاندنی شبِ غم، مژہ پہ جگنو تو ہیں منظّم
مرے سیہ خانۂ محبّت سے کچھ تو رشتہ ہے روشنی کا!

ہوئی تھی اسریٰ کی رات میں جب جو عرش پر کیفیت سی طاری
خدا کی حکمت کہ وہ بھی نکلا فسانہ اپنی ہی زندگی کا

مقامِ انسانیت کے طالب ہو پہلے اپنی نظر پہ قادر
جبینِ انجم کی سلوٹوں میں ہے نقش انساں کی برتری کا

لُٹی لُٹی سی حیاتِ عالم مِٹا مِٹا سا جہاں کا نقشہ
یہ کس کی نظروں کی جُنبشوں پر نظام قائم ہے زندگی کا؟

یہ بزم یہ اجنبی سی محفل، نئی نئی صورتیں نئے دل
یہاں کہے کوئی کس کو اپنا، یہاں نہیں ہے کوئی کسی کا

جنوں پہ تنقید کرنے والے خرد کی تنقیص کر نہ بیٹھیں
سنبھل سنبھل کر نظر اُٹھائیں سوال ہے غم کی زندگی کا

بتا دیا بے خودیٔ دل نے سر اپنا قدموں پر اُن کے رکھ کر
کسی کو اپنا بنائے رکھنا ہے اصل مفہوم بندگی کا

اگر خودی کی طلب ہے طرفہ تو جوڑیئے بیخودی سے رشتہ
یہی ہے منشائے علم و عرفاں یہی تقاضا ہے آگہی کا

—— (۷) ——

کرم تیرا جو محشر میں نہ ابر آسا بڑھا ہوتا　　گھڑوں پانی ہماری آبرو پر پڑ گیا ہوتا

محبت کی نگاہوں میں جو تیرا نقشِ پا ہوتا　　ہمارا ہر قدم منزل نمائے ارتقا ہوتا

ترا جلوہ اگر عقدہ کشائے ماسوا ہوتا　　تو پھر صرف ایک تو ہی تو ہمارا مدعا ہوتا

تمہارا دل اگر صورت شناسِ مدعا ہوتا　　مرا سینہ تمہاری انجمن کا آئنہ ہوتا

خدا کو دوست رکھنے پر زمانہ ہم سے برہم ہے　　خدا بننے کی ہم کو آرزو ہوتی تو کیا ہوتا؟

شبِ غم تھر تھرا کر گر پڑا جو میرے دامن پر　　وہ آنسو کاش اُن کی آنکھ کا تارا بنا ہوتا

نظر آیا نہ کوئی یاس کا پہلو ہمیں، ورنہ　　خود اپنا دردِ دل اُن کے تغافل کی دوا ہوتا

جو سچے دل سے ہم اقرار کر لیتے گناہوں کا　　تو اب تک قلزمِ رحمت میں طوفاں آگیا ہوتا

ہمارے سوزِ دل کو ضبطِ غم نے سرد کر ڈالا پگھل جاتا جو یہ شعلہ تو دریا بن گیا ہوتا
جو ہوتا شیخ کو عرفانِ سرمستیٔ میخانہ مذاقِ میکشی پہلو نشینِ اتقا ہوتا
یہاں تو کام تھا ہنگامہ آرائی کا اے ظرفہ
یہ دُنیا کوئی محفل تھی جو میں نغمہ سرا ہوتا؟

—— (۸) ——

مذاقِ عشق کو اپنے کہیں رُسوا نہ کر لینا بنامِ حق پرستی خود کو ہی سجدا نہ کر لینا
فضا حیرت ستانِ دہر کی آئینہ ساماں ہے کہیں اپنے ہی جیسا دوسرا پیدا نہ کر لینا
محبت کی نگاہیں کیف سازِ بزمِ عقبیٰ ہیں انھیں مستی نوازِ محفلِ دُنیا نہ کر لینا
وہ آکر پھول برسائیں گے تیری خلوتِ غم میں! مگر اُن سے کہیں تُو بجلیاں پیدا نہ کر لینا
تری منزل فضائے وادیٔ سینا سے آگے ہے وہیں روشن کہیں شمعِ یدِ بیضا نہ کر لینا
وفا نا آشنائے عشق ہیں نالے ابھی تیرے خود اپنے گھر میں ہی محشر کوئی برپا نہ کر لینا
کئی رنگینیاں نیرنگِ نو ساتھ اپنے لائے گا تُو اپنا دامنِ ذوقِ نظر میلا نہ کر لینا
ہُوا کرتی ہے پیمائش چمن کی موسمِ گُل میں
جُنوں کو اپنے ظرفہ بادیہ پیما نہ کر لینا

—— (۹) ——

خودی نے پاؤں رکھا بیخودی کا سلسلہ ٹوٹا
ترے عرفان تیری آگہی کا سلسلہ ٹوٹا

فضا ساکت زمیں سے آسماں تک ایک سناٹا
یہ کس منزل میں میری زندگی کا سلسلہ ٹوٹا؟

شکستا اپنی شکستِ رشتۂ رنج و الم نکلی
میں خوش ہوں مدعائے مدعی کا سلسلہ ٹوٹا

محبت نے کیا ہر ذرّۂ کونین پر سجدہ
مگر پھر بھی نہ تیری بندگی کا سلسلہ ٹوٹا

ترے ہاتھوں مرے دل کی تباہی اے زہے قسمت
مگر یہ رنج ہے تیری خوشی کا سلسلہ ٹوٹا

مری دنیا کے ذرّوں پر یہ تنقیدیں ستاروں کی؟
مرے دل سے اب اُن کی برتری کا سلسلہ ٹوٹا

بتائیں دھرم سے اپنی زمینِ دَیر کے ذرّے
بتوں سے کب ہماری دوستی کا سلسلہ ٹوٹا!

تبسم کیوں نہ ہو جمہوریت کے خشک ہونٹوں پر
بہت دن میں غرورِ خواجگی کا سلسلہ ٹوٹا

زمانہ اب مری جانب توجہ کرتا جاتا ہے
خوشا قسمت، اب اس کی بے رخی کا سلسلہ ٹوٹا

خودی کے زعم میں خود کو خدا گرداننے والو!
بتاؤ کیا کرو گے گر خودی کا سلسلہ ٹوٹا

جھکا دیں سرکشوں نے گردنیں پائے صداقت پر
خدا کا شکر ہے اب سرکشی کا سلسلہ ٹوٹا

غلامی حرّیت کا پرچمِ اخضر اُڑا بیٹھی
بحمد اللہ شکوہِ قیصری کا سلسلہ ٹوٹا

زباں پر میری کیوں آئے بیانِ جامِ دل ظرافہ
ہوئی مدت کہ ذکرِ مے کشی کا سلسلہ ٹوٹا

—— (۱۰) ——

آہ برلب، غم بہ دل، نالہ بکام آ ہی گیا | زندگی کو موت بننے کا پیام آ ہی گیا

اب جبینِ شوق کو سجدوں سے فرصت ہو گئی | دل جہاں جھکتا ہے آخر وہ مقام آ ہی گیا

بڑھتے بڑھتے آنسوؤں کی خشک سالی بڑھ گئی | ہچکیوں کی حد میں قلبِ تشنہ کام آ ہی گیا

عشق کی خودداریوں نے مجھ کو بخشا وہ مقام | جس جگہ مغرور نظروں کا سلام آ ہی گیا

نوعروسانِ چمن کے دامنِ گلرنگ پر | کیف بار اک ابرِ آہستہ خرام آ ہی گیا

شاد باش اے جذبِ دل، ذوقِ نظارہ شاد باش | تا لبِ بامِ نظر حسنِ تمام آ ہی گیا

ہچکیوں میں ہو گیا گم نارسائی کا گلہ | رہروِ ہستی کو منزل کا پیام آ ہی گیا

دیکھ کر شرمندۂ تکمیل تعمیرِ حیات | کشت و خوں کی زد پہ دنیا کا نظام آ ہی گیا

ڈھلتے ڈھلتے نور کے سانچے میں فطرت ڈھل گئی | آتے آتے دردِ دل انساں کے کام آ ہی گیا

میرے نغمے گونج اٹھے طرفہ فضائے قدس میں
قدسیوں کی بزم میں بھی میرا نام آ ہی گیا

—— (۱۱) ——

نشاط و غم سے ٹکرایا نگاہ و دل سے ٹکرایا | ترا جلوہ بہ طرزِ نو ہر اک منزل سے ٹکرایا

نگاہیں چار ہوتے ہی امنگیں جھوم جھوم اٹھیں | محبت ہو گئی سرشار جب دل دل سے ٹکرایا

یہ کس نے دور کر آواز دی مجھ کو کنارے سے | سفینہ کیوں مرا بیساختہ ساحل سے ٹکرایا

فریب آمیز عالم کا ہر اک تختہ اُلٹ دیگا
حقیقت کا کوئی پرتو اگر باطل سے ٹکرایا

تغافل، ناز، عشوہ، جبر، خودداری، رضا جوئی
کئی پردے اُٹھائے جب کہیں دل دل سے ٹکرایا

گرا جو شمع کی آنکھوں سے نخوت کے اُجالے میں
وہ آنسو کب پرِ پروانہ محفل سے ٹکرایا؟

فنا ہو کر بھی اہلِ عشق رہتے ہیں کمند افگن
اُڑا جو ذرّہ خاکِ قیس کا محمل سے ٹکرایا

بتا آخر کسے ہم بانیٔ بیداد ٹھہرائیں؟
ترے کوچے کا ہر ذرّہ ہمارے دل سے ٹکرایا

جسے دیر و حرم کی تنگیٔ وسعت کا شکوہ تھا
محبت کا وہ سجدہ آستانِ دل سے ٹکرایا

شہادت پائی، ضبطِ غم کی تنہائی میں گھُٹ گھُٹ کر
نہ میں خنجر سے ٹکرایا نہ میں قاتل سے ٹکرایا

اُلجھ کر کیوں کسی ناقص سے اپنی آبرو کھوتا
میں طرفہ جب بھی ٹکرایا کسی کامل سے ٹکرایا

— (۱۲) —

کرم سمجھ کے تمہارا ستم قبول کیا
وفا سرشت محبت نے غم قبول کیا

بہ پاسِ عشق ترا ہر ستم قبول کیا
خوشی کی بدلے مرے دل نے غم قبول کیا

تری جفا ترے ہر ایک جَور کو میں نے
بچشم نم نہیں، بے چشمِ نم قبول کیا

دُعائیں دے مرے دل کو کہ اس نے تیری لئے
وفا کا درد، محبت کا غم قبول کیا

سمجھ کے جادۂ منزل نما لئے آزادی
بشر نے مرحلۂ جذب و ضم قبول کیا

رضائے دوست کی عشوہ گری کے پیشِ نظر
خوشی پسند طبیعت نے غم قبول کیا

نہ کیوں ہو ذکر مرا قدسیوں میں اے طرفہ
کہ میں نے اسوۂ شاہِ اُمم قبول کیا

—(۱۳)—

یہ کون میرے دلِ غم بسر سے کھیل چکا؟
اُچھل اُچھل کے لہو چشمِ تر سے کھیل چکا

طلسمِ گردشِ شام و سحر سے کھیل چکا
ترے لئے میں ہر اک خشک و تر سے کھیل چکا

شبِ الم دلِ راحت طلب کو سمجھا کر
خیالِ آمدِ خوابِ سحر سے کھیل چکا

نہ کیوں ہو منظرِ حسن و جمال دل میرا
یہ آئینہ بڑے آئینہ گر سے کھیل چکا

کبھی چمن سے کبھی چھیڑ کی بیاباں سے
بہار ریں کے میں خشک و تر سے کھیل چکا

خرد کا نام نہ لے لے جنوں پرستِ حرم اس
میں عقل و ہوش کی ہر رہگزر سے کھیل چکا

یہ اپنا اپنا مقدر ہے اپنا اپنا نصیب
کہ تو دعا میں رہا میں اثر سے کھیل چکا

زہے وہ آنکھ، ترے غم میں جس نے پھول اُگل
خوشا وہ دل کہ جو تیری نظر سے کھیل چکا

کمالِ بے ہنری سی ہوئی ہنر کو شکست
ہر ایک بے ہنر اہلِ ہنر سے کھیل چکا

میں ایک عشرتِ موہوم کے لئے طرفہ
ہزار بارِ غمِ معتبر سے کھیل چکا

(بقید یک قافیہ)		———(۱۴)———

مجھے فصلِ گُل میں جلے ہوئے ہوئیں مدتیں مگر آج بھی
نظر آیا پھُول جہاں کوئی وہیں میرے دل سے دُھواں اُٹھا

وہ ستم رسیدۂ برق ہوں کہ بہار میں بھی سکوں نہیں
کِھلا کوئی غنچہ اُدھر، اِدھر مرے آشیاں سے دُھواں اُٹھا

مرے ساتھ تھیں یہ بلائیں سب کہا خیر باد چمن کو جب
نہ پھر ایسی کوئی ہوا چلی نہ پھر ایسا کوئی دُھواں اُٹھا

یہ سماں ہے باغ کا آج کیا، کہیں روشنی کہیں تیرگی؟
ارے کس نے آگ لگائی یہ ارے یہ کہاں سے دُھواں اُٹھا؟

مرے گریہ پر نہ ہنسے کوئی کہ ہے اس میں برق چھُپی ہوئی
جہاں اشک میں نے بہا دیئے وہیں تندو تیز دُھواں اُٹھا

وہیں شعلہ زا مرے آشیاں کا سماں نگاہوں میں پھر گیا
میں تڑپ گیا میں تڑپ گیا جو کسی کے گھر سے دُھواں اُٹھا

کوئی میرا درد بٹائے کیوں، مرے ساتھ اشک بہائے کیوں؟
مرا دل دُکھا، مرا گھر جلا، مرے آشیاں سے دُھواں اُٹھا

کہوں اس کو تیرگیٔ بخت کی کہ ستم ظریفیٔ آسماں
میں اِدھر قفس سے رہا ہُوا اُدھر آشیاں سے دُھواں اُٹھا

میں ہوں طرفہ جب سے اسیرِ غم ہے فلک کا بند ہر اک ستم
نہ کہیں لگی کی خبر سُنی نہ کسی کے گھر سے دُھواں اُٹھا

—— (۱۵) ——

بہار آئی جُنونِ فتنہ ساماں کا اثر دیکھا
مگر دیوانے دل کا بھی گریباں چاک کر دیکھا؟

خوشی کو دیدۂ تر میں ہمیشہ غم بسر دیکھا
ہر اک آنسو کی قطرے میں تمنّاؤں کا گھر دیکھا

تمھارا حسنِ عالمگیر اور محدودِ نظّارہ!
جہاں تک دیکھ سکتا تھا بہ امکانِ نظر دیکھا

محبّت جب مسرت آشنا ہوتی نظر آئی
جنازہ حسرتوں کا آنسوؤں کے دوش پر دیکھا

خودی نے ماسوا کی یاد سے جب کر دیا غافل
تو اکثر میں نے اپنے پاؤں پر ہی اپنا سر دیکھا

سکندر محوِ حیرت کیوں نہ ہوتا دیکھ کر مجھ کو
وہ آئینہ ہُوں جس نے جوہرِ آئینہ گر دیکھا

یقیناً کامیابی نام ہے اُفتادہ پائی کا
کہ جب ٹھوکر لگائی راہ نے منزل پہ سر دیکھا

محبّت جب ہوئی سرمایہ دارِ جذبۂ دل
جمالِ مُستتر کو جلوت آرائے نظر دیکھا

حیاتِ جاوداں کا درمیاں میں ذکر جب آیا
نفس کی آمد و شد کا فسانہ مختصر دیکھا

اُٹھی بادل، چلی آندھی، گری بجلی، بڑھی طوفاں
محبّت میں یہی ہم نے حصولِ چشمِ تر دیکھا

ہُوا کرتی ہے اب بھی لامکاں کی سیر اے طرفہ
کسی نے کب مری تخئیل کو بے بال و پر دیکھا

(۱۶)

ایک یوسف کی چاہ نے مارا		روز کی آہ آہ نے مارا
کیوں کیا اُن کے عشق کا دعویٰ		مجھے شرمِ گناہ نے مارا
حُسن کی کیا خطا، کہ دید کے وقت		مجھ کو میری نگاہ نے مارا
ساری دُنیا کا درد لے بیٹھا		دلِ آفت پناہ نے مارا
اُس سے دُنیا نے زندگی مانگی		جس کو تیری نگاہ نے مارا
عشق کے لب پہ ہے یہی شکوہ		حُسنِ عالم پناہ نے مارا
آہ تک ہجر میں نہ کی دل نے		ضبط کے انتباہ نے مارا

کس کو مجرم بنائیں ہم طرفہ!
ایک طرفہ نگاہ نے مارا

(۱۷)

گُل تھے نگاہ میں نہ گلستاں نظر میں تھا		دامن نواز اشکِ گُل افشاں نظر میں تھا
دامن نظر میں تھا نہ گریباں نظر میں تھا		دیوانگی کا جوشِ فراواں نظر میں تھا

تھا ہر نفس پر اپنی ہی تخریب کا خیال
یعنی مآلِ گردشِ دوراں نظر میں تھا

لے جا رہا تھا ذوقِ محبت سوئے حیات
جذب و کشش کا ایک سا طوفاں نظر میں تھا

ہر گام پر تھی اک خلشِ عشقِ ناتمام
احساسِ ذمہ داریٔ انساں نظر میں تھا

تھا کس قدر جنوں مرا دامن کشِ بہار
میں نَیستاں میں اور گلستاں نظر میں تھا

ہر پردۂ خیال تھا صورت گرِ جنوں
ہر ہر قدم پہ گوشۂ زنداں نظر میں تھا

وہ رنگِ رخ، وہ سرخیٔ لبہائے دل نشیں
وہ کیا نظر میں تھی کہ گلستاں نظر میں تھا

ایسی بھی چند ساعتیں گزریں بہار میں
وحشت بدوش عالمِ ویراں نظر میں تھا

تھا جادۂ وفا کے ہر ایک موڑ پر جنوں
وارفتگیٔ شوق کا امکاں نظر میں تھا

رندوں کی ہر نگاہ تھی جلوہ کشِ بہار
مستی نواز ابرِ خراماں نظر میں تھا

پہلے پہل وہ اُن کی توجہ، وہ التفات
اک عالمِ حیات بداماں نظر میں تھا

طرفہ کہاں شباب کی وہ جانفزا بہار
وہ دن گئے کہ کیف کا ساماں نظر میں تھا

—— (۱۸) ——

جب قلبِ الم خوردہ نے مرے نالوں سے شبِ غم کام لیا
اشکوں میں ستارے ڈوب گئے گردوں نے کلیجہ تھام لیا

رگ رگ تھی جمود افزائے عدم ہر سانس پہ غفلت طاری تھی
دِل چونک گیا میں جاگ اُٹھا یہ کس نے تمھارا نام لیا؟

اب تم ہی بتاؤ کیوں روؤں اب تم ہی کہو میں کیوں نہ ہنسوں!
اب میری دُعاؤں نے بڑھ کر دامانِ اثر کو تھام لیا

اس کارگہِ ہستی میں تھی فرصت ہی کسے دم لینے کی
سب جھگڑے چکائے دُنیا کے جب جاکے کہیں آرام لیا

یہ جبر نہیں تو اور کیا ہے، احساس بھرا اک دل دے کر
جو سب سے زیادہ مشکل تھا فطرت نے وہ ہم سے کام لیا

اُن نیچی نگاہوں کے صدقے اُن نیچی نگاہوں نے طرفہ
اک بار نہیں سَو بار مری فریاد کا دامن تھام لیا

—— (۱۹) ——

بجا ہی زیست کا اُس وقت تک حاصل نہیں ملتا
کسی کے دل سے جب تک محو ہو کر دل نہیں ملتا

مری لاحاصلی ہی اصل میں حاصل ہے اُلفت کا
اگر ہوتا سکوں حاصل تو دردِ دل نہیں ملتا

وفا کو حُسن کی موجوں میں ہم ڈھونڈنے والے!
صدف کی گود میں موتی لبِ ساحل نہیں ملتا

طریقے سے بڑھایا بھی کبھی دستِ طلب تو نے
کہ یونہی کہہ دیا بس تم عائد دل نہیں ملتا

مری گم گشتگیٔ شوق کا عالم ارے توبہ　　　　کہ منزل کا پتہ مجھ کو سرِ منزل نہیں ملتا

عقیدت میں بقدرِ ذرہ طرفہ جس کی فرق آیا
اُسے تا عمر فیضِ مرشدِ کامل نہیں ملتا

—— (۲۰) ——

مانعِ صحرا نوردی فہمِ ایذا کوش تھا　　　　کیا مرا ذوقِ جنوں صیدِ طلسمِ ہوش تھا؟

ختم ہو جاتیں نہ کیوں اُن کی تغافل کیشیاں　　　　جذبۂ خاموش آخر جذبۂ خاموش تھا

ہر تکلم میں تھی میری اک حکایت درد کی　　　　ہر سخن میرا حدیثِ خاطرِ غم کوش تھا

چل رہی تھی نور کی موجوں پہ کشتیٔ حیات　　　　قُلزمِ ہستی میں انوارِ خودی کا جوش تھا

عالمِ ناسوت کی ہر موج تھی یم در کنار　　　　کُل میں جُز کی لہر تھی اور جُز میں کُل کا جوش تھا

بے خودی میں بھی تھا میرے لب پہ طرفہ اُن کا نام
کیا وہ بے ہوشی کا عالم بر بنائے ہوش تھا؟

—— (۲۱) ——

ہر نفس کو عشق کا کلمہ پڑھانا ہی پڑا　　　　ہم کو تیرے حُسن پر ایمان لانا ہی پڑا

خندۂ گُل سے عیاں تھا صاف گلشن کا ثبات　　　　پھر بھی کلیوں کو چمن میں مسکرانا ہی پڑا

دیکھتے تذلیل ہم انسانیت کی تابکے　　　　ایک دن اپنے لہو میں خود نہانا ہی پڑا

غم سے دل لبریز تھا لیکن بپاسِ وضعِ عشق　　آ گئے جب سامنے وہ مسکرانا ہی پڑا

تابکے رکھتے اُسے ہم اپنے دل سے دُور دُور　　بیکسئ غم کو سینے سے لگانا ہی پڑا

تیرہ بختی کے قدم جب میرے گھر میں آ گئے　　آرزو کا اک جنازہ روز اُٹھانا ہی پڑا

ظُلمتوں کو چند ساعت کی مٹانے کے لئے　　کچھ پتنگوں کو سرِ محفل جلانا ہی پڑا

کون رکھتا ہے خیالِ دین و دنیا ایسے وقت　　جب وہ آئے یاد سب کو بھول جانا ہی پڑا

جانتے تھے ماحصل اس کا بجز غم کچھ نہیں
پھر بھی ظرفہ زندگی کا بوجھ اُٹھانا ہی پڑا

——— (۲۲) ———

اے حُسن ترے ہر جور ہر اک اندازِ ستم سے کھیل چکا
میں عشق کی بازی ہار چکا میں دیدۂ نم سے کھیل چکا
اب اور فریبِ شوق نہ دے میں شوقِ اتم سے کھیل چکا
الطاف و کرم بھی دیکھ چکے بیداد و ستم سے کھیل چکا
آیا نہ کہیں کچھ اور نظر جز کارِ ہوس پندارِ نفس
اُلفت کی نکیلی راہوں میں ہر نقشِ قدم سے کھیل چکا
اب اور نہ کوئی بات بنا اُٹھ پردہ اُٹھا کر سامنے آ
اک تیری رضا جو کی کیلئے ہر رنج و غم سے کھیل چکا

اس بزم کا ہر اک پیمانہ ہے کیف و اثر سے بیگانہ
اک بار نہیں سو بار یہاں میں ساغرِ جم سے کھیل چکا

افکار و حوادث کی آندھی ٹکراتی رہی مجھ سے برسوں
اک ساحلِ مقصد کی خاطر طغیانیٔ غم سے کھیل چکا

تعمیرِ سخن ہے میری ہی مرہونِ نگارش دُنیا میں
الفاظ و بیاں کے پردے پر میں نوکِ قلم سے کھیل چکا

میدانِ سخن سر کر لینا آسان سمجھتا تھا ظرافہ
تنقیص کے گہرے دار سہے "تنقیدِ دودم" سے کھیل چکا

—— (۲۳) ——

زبانِ شمع پر ہی تذکرہ کس سوختہ دل کا
کہ ہے بدلا ہوا سا آج نقشہ انجمن محفل کا

زہے طرزِ خود آرائی زہے اندازِ خود بینی
اب آئینہ بھی دم بھرنے لگا اپنے مقابل کا

مجھے شامِ رہِ پُرخار کیا آنکھیں دکھائیگی
مری نقشِ قدم میں ہی اُجالا صبحِ منزل کا

نظر ژولیدہ ژولیدہ نفس لغزیدہ لغزیدہ
بڑی مشکل سے ہم نے طے کیا ہی مرحلہ دل کا

نہ گھبرا کثرتِ امواجِ غم سے بحرِ اُلفت میں
کہ ہر موجِ بلا انگیز سے رشتہ ہے ساحل کا

کوئی اہلِ خرد دستورِ راہِ عشق کیا جانے
وہ دیوانہ ہی جو قائل ہی رسم و راہِ منزل کا

جُنوں کی وادیوں کو دُوں میں کیوں الزام اے طرفہ
خرد کی منزلوں میں گُم ہُوا ہے قافلہ دل کا

——— (۲۴) ———

زندگی کا مرحلہ کچھ اس قدر مشکل نہ تھا
شوق لیکن ہم مزاجِ اضطرابِ دل نہ تھا

حُسن اور اُلفت میں ہوتا کیسے باہم ارتباط
درد تھا دل میں مگر دل درد کے قابل نہ تھا

رُوح میں جو عشق کی تحلیل ہو کر رہ گیا
کیا وہ نغمہ حُسن کا پروردگارِ دل نہ تھا؟

دل سے بحرِ عشق میں اُٹھی تھی اک موجِ یقیں
میری کشتی جس سے ٹکرائی تھی وہ ساحل نہ تھا

تھیں نظر کے سامنے حُسنِ یقیں کی وسعتیں
دل مرا رہینِ فریبِ جلوۂ باطل نہ تھا

تیرگیٔ شامِ غم دیتی نہ کیوں دھوکا مجھے
داغِ دل ہی جب چراغِ جادۂ منزل نہ تھا

خندہ زن ہے اب بھی دُنیا اُس کے ذکرِ مرگ پر
آہ وہ دل، جو تمھارے درد کے قابل نہ تھا!

لے چلی تھی گردِ راہِ شوق جانے کس طرف
منزلوں حدِ نظر تک جلوۂ منزل نہ تھا

کیا سمجھ کر اپنی نظروں سے گرایا آپ نے
کیا مرا دل، دل نہ تھا یا پیار کے قابل نہ تھا؟

شعلہ سازیٔ شبِ غم الامان والحفیظ
ایک انگارہ تھا سینے میں ہمارے دل نہ تھا

کر رہی تھی گردِ پائے قیس آپ اپنا طواف
نازبردارِ جنوں لیلیٰ نہ تھی محمل نہ تھا

اشتیاقِ رہ نوردی نے رکھا منزل سے دُور
ورنہ طرفہ آپ کا بیگانۂ منزل نہ تھا

(۲۵)

جگر میں درد رہا قلب میں گداز رہا　　ہمیں نصیب شب و روز سوز و ساز رہا

رہِ وفا میں جو دل پائمالِ ناز رہا　　نگاہِ حُسن میں ہر وقت سرفراز رہا

وفا کی عمر کو کر دے گی مختصر دنیا　　تری جفاؤں کا گر سلسلہ دراز رہا

جہاں میں کی گئی اہلِ وفا کی جب تحقیق　　بلند منصبِ محمود سے ایاز رہا

قدم قدم پہ نگاہیں جھکیں پئے سجدہ　　نظر نظر میں ترا آستانِ ناز رہا

دکھائیں جاکے کسے دل کی چوٹ اے ظرفہ
جہاں میں کوئی بھی اپنا نہ دل نواز رہا

(۲۶)

بے خودی کو ہوش میں لانے کا موسم آگیا
آپ ہی اپنے پہ مٹ جانے کا موسم آگیا

چاندنی راتوں میں گھبرانے کا موسم آگیا
اپنی پرچھائیں سے ڈر جانے کا موسم آگیا

جا رہے ہیں آج وہ سوئے چمن گیسو بدوش
پھر تڑپنے اور تڑپانے کا موسم آگیا

بُلبلوں سے کہدو جاکر زمزمہ پرداز ہوں
سازِ گُل سے نغمے برسانے کا موسم آگیا
اب مری جانب ہی ساقی کی نگاہِ کیف زا
بے پئے ہی مست ہوجانے کا موسم آگیا
ہوگئی طرفہ رسائی گلشنِ سیماب میں
پھُول بن کر اب مہک جانے کا موسم آگیا

(۲۷)

سایۂ زلفِ رسا میں عارضِ گُلفام تھا　　صبح کا تڑکا ہم آغوشِ سوادِ شام تھا
دیکھنے والے ہی کا ذوقِ نظارہ خام تھا　　ورنہ وہ تو ہر گھڑی جلوہ فروزِ بام تھا
ذرّے ذرّے سے ہویدا تھا جمالِ حسنِ دوست　　ہر نظر تھی اک بشارت ہر نفس پیغام تھا
صبر و استقلال کی دنیا میں کس نے قدر کی　　جس کا جتنا ظرف تھا اتنا ہی وہ بدنام تھا!
آنکھ پُرنم، لب پہ آہیں، دل میں سوز و سازِ عشق　　دُکھ بھری اک رات تھی جس کا جوانی نام تھا
کس سے کہتے کون سنتا ماجرائے دردِ دل　　سب کو اس دُنیا میں اپنے کام ہی سے کام تھا!
ہو نہ ہو مقبول سجدہ اس سے ہم کو کیا غرض　　اُن کے در پر سر جُھکا دینا ہمارا کام تھا
اپنی ہر کوشش ہی طرفہ درخورِ آلام تھی　　اپنا ہر آغاز ہی غارت گرِ انجام تھا

— (۲۸) —

کیونکر اپنے مرکز پر پہنچے کارواں اپنا		ہر قدم ہے منزل میں عشق کی گراں اپنا
کچھ تو دل کی حالت پر رحم آئیگا اُن کو		کچھ تو رنگ لائے گا جذبۂ نہاں اپنا
ل گیا مقدر سے غم بقدرِ ظرفِ شوق		اب مذاقِ دردِ دل ہو گیا گراں اپنا
چپکے چپکے دل ہی سے شامِ ہجر باتیں کیں		جب نظر نہیں آیا کوئی راز داں اپنا
آ رہی ہے رہ رہ کر یادِ عہدِ رفتہ کی		پھر رہا ہے نظروں میں دورِ پُراماں اپنا

ظرفہ ہیں ابھی تو ہم خوشہ چینِ باغِ عشق
بامِ عرش پر ہو گا اک دن آشیاں اپنا

— (۲۹) —

ل نکلنا چاہتا ہے عشقِ وحشت گیر کا		ہنس رہا ہے آج ہر حلقہ مری زنجیر کا
کیا مقدر ہے ہماری آہِ آتش گیر کا		تک رہی ہے منہ دھواں بن کر تری تصویر کا
واہ رے جوشِ جنوں، اللہ رے سودائے عشق		ہے خرد کی آنکھ ہر حلقہ مری زنجیر کا
اب مجھی بھی اپنی آرائش کا ہوتا ہے خیال		عکس شاید پڑ گیا مجھ پر تری تصویر کا
کیا کہیں روزِ ازل کیوں کر ہمارا دل بنا!		کوئی ٹکڑا رہ گیا ہو گا تمھارے تیر کا
اِدھر آ اے نامرادی تو ہی کچھ جوہر دکھا		چڑھ گیا ہے حاشیہ تدبیر پر تقدیر کا

اشک کے دو چار قطرے بھی تو آنکھوں میں نہیں مرثیہ کیوں کر لکھوں فریادِ بے تاثیر کا

شکوۂ بربادیٔ خاطر سے طرفہ فائدہ!

ڈھونڈ اِسی تخریب میں پہلو کوئی تعمیر کا

—— (۳۰) ——

تجاوز کر گیا حد سے اگر سوزِ دروں میرا سرِ مژگاں تڑپ کر آئیگا ہر اشکِ خوں میرا

ستارے مسکراتے ہیں شبِ غم مسکرانے دو وہ کیا جانیں تڑپ میری وہ کیا جانیں سکوں میرا

نہ راس آئی بہارِ بزمِ ہستی عمر بھر مجھ کو رہا بیگانۂ ہوش و خرد جوشِ جنوں میرا

تحیر زا ہے اُف کتنا مذاقِ اربابِ گلشن کا کہ مضرابِ رگِ گُل سے چھڑا سازِ جنوں میرا

تبسم رقص فرمائے مری ہونٹوں پہ کیا طرفہ!

مجھے ہنسنے نہیں دیتا ہے بختِ واژگوں میرا

—— (۳۱) ——

حرم میں رنگِ بتخانہ نکھر جاتا تو اچھا تھا

وہ کافر آنکھ سے دل میں اُتر جاتا تو اچھا تھا

سُنا ہے حُسن اور اُلفت میں چوٹیں ہیں برابر کی

یہ ہنگامہ نگاہوں سے گزر جاتا تو اچھا تھا

جنونِ عشق نے رُسوا کیا مجھ کو زمانے میں
یہ سوداؔ اُن کے بھی سر سے گزر جاتا تو اچھا تھا

تمہارا نام سُن کر کھول دیں بیمار نے آنکھیں
تمہاری نام پر کمبخت مر جاتا تو اچھا تھا

کیا وحشت زدہ مجھ کو سوادِ شامِ غربت نے
ستارہ صبح کا سر سے گزر جاتا تو اچھا تھا

یہ دھوکا اُف یہ دھوکا اس قدر رنگ آفریں دھوکا
مری ہستی کا شیرازہ بکھر جاتا تو اچھا تھا

شبِ فرقت کی بے کیفی کا عالم کیا کہوں طرفہ
نظر سے ساغرِ رنگیں اُتر جاتا تو اچھا تھا

—— (۳۲) ——

نہ کر اپنی زندگی سے مرے واسطے کنارا — مجھے تیرا غم گوارا مجھے تیرا غم گوارا
مجھے کیا بہا سکے گا تری بے رُخی کا دھارا — مرا ہر نفس تلاطم مری ہر نظر کنارا
تری اور میری غم میں بڑا فرق ہے ستمگر — تجھے موت نے ڈبو چا مجھے زندگی نے مارا
میں تری کرم کے صدقے کہ تری کشیدگی نے — غمِ تہہ نشینِ دل کو نئے ڈھنگ سے اُبھارا

نہ ہو منکرِ حقیقت کہ زمانہ جانتا ہے
تری زندگی کا پہلو ہُوا کس سے آشکارا

یہ اُسی کا ہے اندھیرا یہ اُسی کی تیرگی ہے
کبھی میں نے کہدیا تھا تجھے آسماں کا تارا

میں نفیرِ سوزِ پنہاں تُو نوائے سازِ عُریاں
مرا عشق زیبِ خلوت ترا حُسن جلوت آرا

مری عمرِ حسرت آگیں اسی کشمکش میں گزری
کبھی یاس نے صدا دی کبھی آس نے پکارا

ترا حُسن وجہِ تسکیں مگر اس کو کیا کروں میں
کہ نہیں ہے اب ذرا بھی مجھے فرصتِ نظارہ

———(۳۳)———

دیدی اُن کی آرزو کو بھی جگہ دل کے قریب
اور اک منزل بنا لی ہم نے منزل کے قریب

یوں تمنائیں ہوئیں پامال منزل کے قریب
ٹوٹتی ہیں جیسے جیسے موجیں آ کر ساحل کے قریب

پھر ستانے آ گئی اُس سنگدل کافر کی یاد
درد پھر انگڑائیاں لینے لگا دل کے قریب

کشتۂ اُلفت کو مر کر بھی نہیں ملتا سکوں
لوٹتی ہیں بجلیاں خاکسترِ دل کے قریب

درد و غم، آلام و کلفت، یاس و حرمان و خلش
سو بلاؤں کی سکونت ہے مرے دل کے قریب

ساتھ چھوڑا ہمتِ دل نے بھی رہبر کی طرح
پاؤں ٹوٹے شوق کے بھی عین منزل کے قریب

کیف سامانیٔ بزمِ ساقیٔ فطرت نہ پوچھ
لغزشیں ہی لغزشیں ہیں ساغرِ دل کے قریب

دیکھنا طرفہ وہی غارتگرِ تسکیں نہ ہو
گنگناتا ہے کوئی بیٹھا ہُوا دل کے قریب

(۳۴)

فردوسِ بریں، لوح و قلم، ارض و سمٰوات
سب میری تبسم کے ہیں ہر گونہ کمالات

تارے مجھے کیا دیں گے محبت کے پیامات
یہ تو مری قدموں کی ہیں دُھندلے سے نشانات

اللہ رے یہ بندۂ مومن کے اشارات
اک آن میں سب اُٹھ گئے فطرت کے حجابات

جبتک نہ کریں غسل یمِ اشک میں کلمات
کام آئیں دُعائیں نہ اثر لائے مناجات

بے مغز نہیں مردِ مسلماں کے مقالات
ہر نقطے میں اک نکتہ ہے ہر بات میں اک بات

ہر اشک ہے افسانۂ صد عیش کا عنواں
ہر سانس میں ہیں عمرِ گزشتہ کی حکایات

انگڑائی جو لیتی نہ تُنک ظرفیٔ منصورؒ
اُٹھتے نہ اُٹھائے سے انا الحق کے حجابات

افلاک نشیں ہو کے یہ رندانِ قدح خوار
اشکوں میں ملائک کی بھگوتے ہیں خرابات

اُس بندۂ اللہ کو بندہ نہ کہو تم
دُنیا میں رہیں مشک فشاں جس کے مسامات

مشاطگئی حسنِ عمل کے لئے ہر وقت
ہے اہلِ جہاں کے لئے آئینہ مری ذات

کُن سے مری ہستی ہے مگر زینتِ کونین
زیبا ہے بایں وصف مجھے فخر و مباہات

اُلجھا ہوا رہتا نہیں ماحول ہمیشہ
سلجھائے اگر کوئی سلجھ جاتے ہیں حالات

ہموار ہو ماحول تو پوری ہوں ارادے
شفاف ہوں رُوحیں تو جِلا پائیں خیالات

گرمائیں گے تاثیر کی نبضوں کو نہ ہرگز
یخ بستہ خیالات، یہ ٹھٹھری ہوئی جذبات

لرزیدہ ستاروں میں یہ لغزیدہ تکلّم ؟ موہوم اشاروں میں یہ معصوم سوالات ؟

ہر سانس ہے طرفہ مرا گنجینۂ اسرار
لیکن ابھی پوری نہیں فطرت کی عنایات

— (۳۵) —

جلوہ بقدرِ شوقِ محیطِ نظر ہے آج
یعنی کسی کا حسن سرِرہ گزر ہے آج

آسودۂ جمال جہانِ نظر ہے آج
جلوہ کسی کا زینتِ ہر بام و در ہے آج

رنگینیوں پہ جذبۂ دل کا اثر ہے آج
یعنی کسی کا حُسن نشاطِ نظر ہے آج

آہیں بھی کامیاب ہیں نالے بھی کامیاب
شاید اثر شریکِ دعائے سحر ہے آج

ہر ذرّے پر بچھاؤں گا سجدے نگاہ کے
ہر ذرّہ کوئے یار کا طورِ نظر ہے آج

ہر سمت ہے بساطِ ادب مُہرۂ درِ بغل
ہر ایک شخص ناقدِ عیب و ہنر ہے آج

زُلفِ دوتا ہے عارضِ تاباں پہ منتشر
مرکز پر اپنے جلوۂ شام و سحر ہے آج

پہنچا دیا ہے مجھ کو وہاں عشق نے جہاں
خود حُسن کو تلاشِ سکونِ جگر ہے آج

نقصِ خودی کہوں کہ کمالِ خودی اسے؟
طرفہ کسی کے نقشِ کفِ پا پہ سر ہے آج

— (۳۶) —

ذکرِ غم پر دہ تبسم بھی نہ فرماتے تو پھر!
سُن کے پتھر کی طرح خاموش رہجاتے تو پھر!

وہ تو اچھا ہی ہوا شب کو جو بندھا اشکوں کا تار　　اور یہی تارے اگر دن کو نظر آتے تو پھر؟
آپ نے اچھی کہی محفل سے اُٹھ جانے کی بات　　ہم خدا نا خواستہ بیٹھے ہی رہ جاتے تو پھر؟
میں نے مانا گریۂ غم سے ہوئی تذلیلِ عشق　　آہ کے شعلے اثر کی گود گرماتے تو پھر؟
بد دُعا اور اس طرح دامن اُٹھا کر بد دُعا!　　مرنے والے زندگی کی تہہ کو پا جاتے تو پھر؟
ہاں ہمیں معلوم ہے موسیٰ کا انجامِ نظر　　وہ بھی اپنی چشمِ نظّارہ کو کجلاتے تو پھر؟
ہر قدم پر تا بہ منزل اک فریبِ ناتمام!　　رہروانِ عشق رستے سے بھٹک جاتے تو پھر؟

ذکرِ غم اور وہ بھی طرفہ ان کی بزمِ ناز میں!
اُن کی آنکھوں سے بھی کچھ آنسو نکل جاتے تو پھر!!

—— (۳۷) ——

جمالِ ابتدا بن کر جلالِ انتہا ہو کر　　بشر دنیا میں آیا مظہرِ شانِ خدا ہو کر
مری درماندگی پر کیوں نہ دنیا رشک فرمائے　　کہ اپنے پاؤں توڑے میں نے منزل آشنا ہو کر
مرے ذوقِ فنا کا ماحصل اتنا تو ہو یا رب　　زمیں کا چاند بن جاؤں کسی کا نقشِ پا ہو کر!
وجودِ جوہرِ فطری کہیں مٹتا ہے دنیا سے!　　رہی ہے خاک پارے کی ہمیشہ کیمیا ہو کر
اجازت دو کہ ہم بھی دو گھڑی حیرت کشی کر لیں　　تمہارے آئنہ خانہ میں تصویرِ وفا ہو کر
حیات افروز دل دے کر مجھے جس نے نوازا تھا　　ستم تو دیکھئے آیا وہی میری قضا ہو کر

اسے اپنی مقام، اپنی جگہ کا علم کیونکر ہو! کہاں وہ آپ میں جو رہ گیا ہے آپ کا ہو کر!
فرشتے کیوں قدم اپنے بڑھاتے جانبِ دُنیا ہمیں آنا تھا ہم آئے مشیت کی رضا ہو کر

خدا رکھے سلامت، تم کو رہنا ہی ابھی ظرفہ
کسی کا راہبر بن کر کسی کا رہنما ہو کر

——— (۳۸) ———

چونک بھی اے نگاہِ خام شعور
"نور ہی نور ہے کہاں کا ظہور"

اُڑ نہ جائے مذاقِ غیب و حضور
اتنے نزدیک اور اتنے دور!

زخم کھا کر بھی عشق ہے مسرور
وار تم نے کیا نہیں بھرپور

اپنی توصیف سے بھی ہے معذور
آدمی، اور اس قدر مجبور؟

اُس شگفتہ نگاہ سے کہہ دو
درد زخموں سے ہو گیا کافور

اپنی پرچھائیں کو نگاہ میں رکھ
جلوۂ ماسوا نظر کا فتور

تم نے جن سے ہمیں ڈرایا تھا
ہم نے وہ منزلیں بھی کر لیں عبور

کی بلندی کی بات پستی میں
اُف رے معراجِ ہمتِ منصورؒ

دیدِ موسیٰؑ کو آتشِ ایمن
ہر نفس ہے ہمارا شعلۂ طور

ابھی دل سے کرن نہیں پھوٹی
اک نگہ اور اک نگاہ حضور!!

اب وہ ساعت بھی آئی جاتی ہے　　آپ ناظر بنیں گے ہم منظور

مستِ عرفانِ عشق ہوں طرفہ
میری آنکھوں میں اب ہے نور ہی نور

—— (۳۹) ——

آنکھوں سے لہو برسائے جا پلکوں پر آنسو پیدا کر
اے خالقِ شبنم زارِ الم سو رنگ کے جگنو پیدا کر

جھک جائیں گی تیری قدموں پر صد رنگ بہاریں دنیا کی
اطوار کو اپنے نیک بنا کر داریں خوشبو پیدا کر

ہنس دینا کسی کے رونے پر تحقیر ہے انسانیت کی
تو اپنے وجودِ خاکی میں انسان کی خوبو پیدا کر

تر ہو تو گیا دامانِ نظر آنکھوں میں ٹھنڈک پڑ تو گئی
جو آتشِ دل کو سرد کریں کچھ ایسے آنسو پیدا کر

"تجدید کی عریاں کاری" پر طرفہ نہ ادب کو بھینٹ چڑھا
اے شعر و سخن کے دیوانے اشعار میں خوشبو پیدا کر

—— (۴۰) ——

اللہ اللہ کیف و مستی کا یہ جوش ہے چمن کا پتّا پتّا مَے فروش
فطرتِ رنگیں ہو جب خود مَے فروش پارسائی کا رہے پھر کس کو ہوش
کس نے چھیڑا باغ میں ذکرِ خزاں برگ ساکت، پھول چُپ کلیاں خموش!
مست ہو کر کیف برسائے گھٹا تم چلے آؤ اگر گیسو بدوش
آپ نے کیا رکھدیا سینے پہ ہاتھ! ہو گیا کم درد کا جوش و خروش
فیضِ چشمِ ساقئ رعنا نہ پوچھ آج ہے ساغر بکف ہر بادہ نوش

میں ہوں طرفہ واقفِ سرِّ حیات
میرا ہر مصرع ہے پیغامِ سروش

——— (۱۴۱) ———

خیالِ نظمِ چمن کہاں تک تصوّرِ لالہ زار کب تک
ستم رسیدو! قفس میں رہ کر بہار کا انتظار کب تک!
ہوائے نَو کی غبار سامانیوں سے یوں بیقرار کب تک
خزاں سے مانوس کر لو دل کو غمِ وداعِ بہار کب تک
ذرا سے غم سے ملول ہونا نہیں ہے اہلِ وفا کا شیوہ
الم میں بھی مُسکرانا سیکھو رہو گے شکوہ گزار کب تک

کبھی تو راس آئیں گی اُمنگیں کبھی تو بر آئیں گی مرادیں
حیاتِ نَو کے یہ تلخ لمحے رہیں گے ناسازگار کب تک

پھر آئے گا مسکراتا ساون، گھریں گی بادل، بڑھیں گی پینگیں
روش روش گلشنِ وفا میں اُڑیگا آخر غبار کب تک

یہ لالہ و گُل کی چشمکیں بھی بنیں گی وجہ سکوں کسی دن ؟
زمیں کی ان بجلیوں سے گلشن رہے گا یوں شعلہ بار کب تک

نئے شبستاں کے پاسبانوں کی سُرخ آنکھیں بتا رہی ہیں
اساسِ ناقص پہ قصرِ عالی کی سطوتوں کا مدار کب تک

خزاں رسیدہ جو وادیاں ہیں وہ جلد ہی اب مہک اُٹھیں گی
منایا جائے گا صرف صحنِ چمن میں جشنِ بہار کب تک

کبھی تو صحرا بنیں گے گلشن کبھی تو جنگل میں ہو گا منگل
یہ جھاڑیاں تابکے رہیں گی، چُبھیں گے تلووں میں خار کب تک

خودی کو اتنا بلند کر لو کہ مہر و مہ خود تمھیں سراہیں
برائے تحصیلِ مقصدِ دل کسی کے منّت گزار کب تک

لبوں کو دو اِذن جنبشوں کا اگر ہے اظہارِ غم ضروری

سکوت کی تہہ میں کوششِ شکوہ سنجئ روزگار کب تک
چمن میں کانٹوں کی زندگی بھی ہے باغباں قابلِ توجہ
گلوں کی اُبھری ہوئی جوانی سے صحنِ گلشن میں پیار کب تک
مجھے یقیں ہے کہ شعلۂ ضبط ان کا اک دن بھڑک اُٹھے گا
رہیں گے طرفہ غریب انساں ستم کشِ روزگار کب تک

(۴۲)

رہیں گی غم کی کلیاں بے نیازِ رنگ و بو کبتک
نہ آئے گی محبت آنکھ میں بن کر لہو کبتک
جُنوں آرائیاں آخر دلِ دیوانہ خو کبتک
کئے جائے کوئی دامانِ ہستی کو رفو کبتک
نہ ہوگا عشق محفل میں تمھاری سرخرو کبتک
رہے گا منجمد دل کی تمنا کا لہو کبتک
جنوں کی رہبری میں جلد منزل کو طے کر لے
خرد کی بندشوں میں نعرۂ اللہ ہو کبتک
کرن خورشید کی بن کر اُتر جا دل میں شبنم کے
چمن زارِ جہاں میں حسرت و ذوقِ نمو کبتک
اُٹھا کر پردۂ غفلت سما جا اپنی آنکھوں میں
کسی کی آرزو کبتک کسی کی جستجو کبتک
سکوں کی گر تمنا ہے تو آ شبنم کے پہلو میں
پھرے گا یونہی بن کر کرمکِ آوارہ خو کبتک
فضائے رنگ و بو میں راتدن پر تولنے والے
نظامِ گلستاں کبتک قیامِ رنگ و بو کبتک
یہ دیوانوں کی باتیں ہیں جنوں کے تخلیئے میں چل
خرد کی انجمن میں عاشقی پر گفتگو کبتک

اگر شہرت کی خواہش ہے تو بسم اللہ اے طرفہ
رہے گی قلب میں گھٹ گھٹ کے آخر آرزو کب تک

—— (۴۳) ——

جذبہ و جوشِ خودی، شوخیٔ مستانۂ دل
کششِ دار و رسن، لغزشِ دیوانۂ دل

شمع جل بجھ کے ہوئی پھر سرِ محفل روشن
واہ رے گرمیٔ خاکسترِ پروانۂ دل

دیدۂ ساقیٔ خودبیں سے نہ کر کیف طلب
اپنی آنکھوں کو بنا حاصلِ میخانۂ دل

ثبت ہر ذرّے پہ ہے مُہرِ نظامِ فردوس
تم نے دیکھا ہی کہاں ہے ابھی ویرانۂ دل!

ہو کبھی حُسنِ حقیقت جو ضیا بارِ مجاز
شمع کی لَو کو ہوا دے پرِ پروانۂ دل

دیکھ اے ضبطِ الم، گردشِ غم سے ہشیار!
چھوٹ جائے نہ کہیں ہاتھ سے پیمانۂ دل

شکوۂ تیرگیٔ بخت کروں اب کس سے؟
وہ نظر لوٹ گئی دیکھ کے کاشانۂ دل

دیکھ وہ آگئی وہ آگئی منزل میری
اور دو گام ذرا ہمتِ مردانۂ دل

کسے دوں ہنس کے جِلا کس کو مٹا دوں طرفہ
میرا ہر اشک ہے اک سرخیٔ افسانۂ دل

—— (۴۴) ——

تفکرات کا مرکز بنا ہوا ہے دل
طرح طرح کی مصیبت میں مبتلا ہی دل

کسی کے حُسن کی ضَو پاشیاں ہیں جُزوِ حیات — تجلّیاتِ حقیقی سے آشنا ہے دل
نہیں ہے آنکھ سے بے وجہ اشک کی تخلیق — تمھارے جَور کو ہنسا سکھا رہا ہے دل
جمود و خواب کے ماری ہوؤں کو کیا معلوم — اندھیری رات میں کس کو پکارتا ہے دل
الٰہی بحرِ حوادث کی کوئی تھاہ نہیں — کہ ڈوب ڈوب کے پیہم اُبھر رہا ہے دل
زبان کھولنا آئینِ عشق کے ہے خلاف — سُکوں کی بھیک نگاہوں سے مانگتا ہے دل
لڑا چکا ہے کسی دشمنِ حیات سے آنکھ — خود اپنی موت کا سامان کر چکا ہے دل

ذرا سنبھل کے نظر اس پہ ڈالئے طرفہ
مچل نہ جائے، بہت شوخ ہو گیا ہے دل

(۴۵)

حقیقت کے پردہ کُشا ہو گئے ہم — خود اپنے ادا آشنا ہو گئے ہم
خودی نے اگر اور تھوڑا نوازا — بتا دیں گے ہم تم کو، کیا ہو گئے ہم
ترے التفاتِ محبّت کے صدقے — ذرا سی توجّہ سے کیا ہو گئے ہم
محبّت نے اتنا تو ہم کو نوازا! — ترے حُسن کا آئینا ہو گئے ہم
کہیں عشق نے ہم کو سر پر بٹھایا — کہیں حُسن کا نقشِ پا ہو گئے ہم
چلے کیوں نہ پیہم حوادث کی آندھی — چراغِ رہِ ارتقا ہو گئے ہم

نظر پڑتے ہی پیرِ کامل کی ظرفہ
خدا کی قسم کیمیا ہو گئے ہم

(۴۶)

ببیں کہ مشک فشاں بر رگِ بہار منم　　گُلِ شگفتہ منم نافۂ تتار منم
بسوئے خارِ مغیلاں چرا نظر کردی؟　　بمن نگر کہ گلستانِ صد بہار منم
ندیدہ باشی چہ پیش آمدہ سکندر را!　　برائے تشنہ، لبِ آبِ جوبار منم
صبا بہ خلوتِ جاناں اگر کنی گزرے　　بگو، بیادِ تو تصویرِ انتظار منم
بفیضِ حسنِ تخیل بہ لطفِ فکرِ لطیف　　بدوشِ حضرتِ روح الامیں سوار منم
گدائے علم و ہنر گو بظاہرم ظرفہ
مگر بہ سلطنتِ شعر شہریار منم

(۴۷)

ربط پیدا کر کے اک دن سعئ لاحاصل سے ہم　　عمر بھر کو ہاتھ دھو بیٹھے نشاطِ دل سے ہم
کون ہے ایسا لگا دیں جس کو اپنے دل سے ہم!　　آخر اب اُٹھ کر کہاں جائیں تری محفل سے ہم؟
ختم ہوتی ہی کہاں راہِ درازِ زندگی　　پوچھ لیں گے یہ بھی اک دن بڑھ کے مستقبل سے ہم
بن گئیں وہ بھی تماشائے جہانِ بے ثبات　　چند موجیں لیکر ابھری تھی لبِ ساحل سے ہم

آنکھ میں آنسو، جگر میں ٹیس، دل میں اضطراب آج کیا کیا لیکر اٹھے ہیں تری محفل سے ہم
اپنی بربادی کا آجاتا ہے جب ہم کو خیال گفتگو اکثر کیا کرتے ہیں اپنے دل سے ہم
سینۂ طوفاں میں مضمر ہیں گُہرہائے نشاط بیٹھ کر ساحل پہ آخر لینگے کیا ساحل سے ہم؛
ہو اگر درد آشنا ماحول کی طرفہ فضا!
تو سکوں پیدا کریں اک اضطرابِ دل سے ہم

(۴۸)

میں پست و بلندِ عالم کی تفریق مٹانے آیا ہوں
خورشید کی زرّیں کرنوں کو ذرّوں سے ملانے آیا ہوں
فطرت کی عجوبہ کاری کا احساس دلانے آیا ہوں
دُنیا کی نگارش خانے میں کچھ رنگ بڑھانے آیا ہوں
ہونٹوں سے بہائے اب شبنم رخشندہ تبسم کے دھارے
میں موجۂ رنگِ گل لے کر گلشن میں نہانے آیا ہوں
یہ جبر و تشدد کے بادل چھٹ جائیں گے سب رفتہ رفتہ
روتوں کو ہنسا کر جاؤں گا روتوں کو ہنسانے آیا ہوں
اب چیر کے سینے کانٹوں کے احساسِ رگِ گُل بھرنے دو

مرعوب فضائے گلشن کو مرغوب بنانے آیا ہوں

کھنچ آئیں نہ میرے ساغر میں کیوں بادہ گساروں کی روحیں
جس جام کو قدسی چھو نہ سکے وہ جام پلانے آیا ہوں

خالی نہ دکھائی دے گی کبھی جانبازوں سے یہ بزمِ جہاں
ہر اشک کو شمعِ محفل کے پروانہ بنانے آیا ہوں

کانٹوں کی زباں سے سن لینا اک روز وفا کے افسانے
بے مہر فضائے عالم کو اخلاق سکھانے آیا ہوں

ہر چیز سراپا گوش بنے ہر ذرّہ سماعت فرمائے
جو بات ابھی تک راز میں تھی وہ بات بتانے آیا ہوں

مسجد کا مؤذّن جھوم اُٹھے مندر کا پجاری رقص کرے
ناقوس و اذاں کے پردوں سے وہ گیت سنانے آیا ہوں

جی کھول کے ہولی کھیل چکی رنگین مزاجوں کی دُنیا
اب اپنی طبیعت کا بھی میں کچھ رنگ جمانے آیا ہوں

کیوں کام میں میرے حارج ہو بس جاؤ اپنا کام کرو
تم کانٹے بچھاؤ رستے میں میں پھول بچھانے آیا ہوں

جن اونچے اونچے نیزوں نے معصوم لبوں سے پھول چنے
اُن اُونچے اونچے نیزوں کی پھل توڑ کے کھانے آیا ہوں
میں اپنے جنونِ اُلفت سے آباد کروں گا ویرانے
اے ہوش و خرد کے دیوانو! یہ تم کو بتانے آیا ہوں
تجدید کی راہوں کو وسعت دینی ہے ادب کی دُنیا میں
فرسودہ تغزل کی طرفہ بنیادیں ڈھانے آیا ہوں

(۴۹)

کہہ کر فلک کا چاند تری نقشِ پا کو میں
روشن کروں گا اپنے جہانِ وفا کو میں

اب میرا حشر چاہے جو ہو اے خدائے حشر
دیکھوں گا آج اُس بتِ محشر ادا کو میں

جب ٹوٹتا ہے کوئی ستارہ سرِ فلک
کرتا ہوں یاد اپنے مزاجِ آشنا کو میں

لُوٹے گا اب چمن گلِ خورشید کی بہار
سُلجھا چکا ہوں گیسوئے ابر و ہوا کو میں

ہر پھول کا ہے جوشِ طبیعت الگ الگ
یک رنگ کس طرح کروں ساری فضا کو میں

سمجھے نہ کوئی اب مجھے بے فیض و نامراد
اب دل سے یاد کرنے لگا ہوں خدا کو میں

ہوں کیوں نہ رفعتیں مرے قدموں پہ سجدہ ریز!
طے کر رہا ہوں مرحلۂ ارتقا کو میں

اب بھی ہے ساز باز اُسی ظالم کی یاد سے
سمجھا کے تھک گیا دلِ آفت ربا کو میں

طرفہ خدا کے فضل سی آئے گا وہ بھی دن
دیکھوں گا سر پہ سایۂ بالِ ہما کو میں

—— (۵۰) ——

نالۂ عشق ہُوا تخلیہ پیما کہ نہیں　　کوئی انگڑائیاں لیتا ہُوا اُٹھا کہ نہیں!
آ گئی حق کی طرف لوٹ کے دُنیا کہ نہیں　　لے لیا گردشِ دوراں نے بھی پلٹا کہ نہیں!
آ گیا گھر مرے اب وہ ستم آرا کہ نہیں　　راستہ بھُول گئی رنجشِ بے جا کہ نہیں!
رفعتِ فکر و نظر، وسعتِ ایقان و اثر　　پا گئے ڈھونڈنے والی نئی دنیا کہ نہیں!
شمع کی لَو پہ پتنگوں کے پروں کا سایہ!　　ہے یہ اندھیر تو چھائے گا اندھیرا کہ نہیں!
آپ نے دیکھ لیا اپنے تغافل کا مآل!　　کر لیا عشق نے بھی آپ سے پردا کہ نہیں!
خار تو خار ہیں پھولوں کی زبانیں بھی ہیں خشک　　اپنی کرتوت کے پھل پا گئی دُنیا کہ نہیں!
ہر روش صاعقہ بر دوش ہے اک گل پامال　　ہے بھی دُنیا میں کوئی اب چمن آرا کہ نہیں!

اب بھی طرفہ کی حقیقت سے ہے انکار تمھیں!
قطرہ کہتے تھے جسے ہو گیا دریا کہ نہیں!

—— (۵۱) ——

اُمیدِ عفو دل سے نہ جائے تو کیا کروں　　اس معصیت کو موت نہ آئے تو کیا کروں

غم میں خوشی کی لہر سمائے تو کیا کروں　　اشکوں میں زندگی نظر آئے تو کیا کروں
غم کی سیاہ راتوں سے نفرت نہیں مجھے　　وہ چاند بن کے گھر مرے آئے تو کیا کروں
نظارہ و نظر میں نہیں بُعدِ مشرقین　　جلوہ نظر سے آنکھ چرائے تو کیا کروں
ہر ذرہ باوجودِ ہمہ علم و آگہی　　نظروں سے اپنی مجھ کو گرائے تو کیا کروں
تیری تلاش، تیرا تجسس، تری طلب　　مجھ کو گناہ گار بنائے تو کیا کروں
نکھرے ہوئے شباب کا ہنستا ہوا جمال　　رہ رہ کے اپنے پاس بلائے تو کیا کروں
کوئی خرد فریب، فریبِ ادب کے ساتھ　　آکر جنوں کے پاؤں دبائے تو کیا کروں
آواز دُور کی ہو تو سمجھوں کہ ہے فریب　　کوئی قریب آکے بُلائے تو کیا کروں
تجھ سے غرض ہے تیری حضوری سے کام ہے　　کونین میرے سامنے آئے تو کیا کروں

ظرفہ ہر ابتدا کی ہے اک انتہا ضرور
لیکن مری سمجھ میں نہ آئے تو کیا کروں

—— (۵۲) ——

جب سے تم ہو دلنشیں قابو میں میرے دل نہیں　　اب مری منزل حقیقت میں مری منزل نہیں
توبہ توبہ، اشتیاقِ رہ نوردی کا جنوں!　　جا کے منزل پر بھی میں سمجھا کہ یہ منزل نہیں
اب تو غم بھی ہے مری مایوسیوں سے دُور دُور　　اب تو حاصل بھی مآلِ سعیِ لاحاصل نہیں

ظرفِ استقلال کو بے بانگ پہلے کیجئے　　زندگی سی زندگی کرنا کوئی مشکل نہیں

اے جنونِ عشق قدرے صبر کرنا چاہیئے　　درخورِ صحرا ابھی دیوانگیٔ دل نہیں

اس عنایت پر بھی ہے گنجائشِ شکوہ ابھی　　درد تو تم نے دیا لیکن بقدرِ دل نہیں

تھیں مری ہی دم سے بزمِ یار کی آرائشیں　　میں نہیں تو کوئی بھی رونق دہِ محفل نہیں

رحم اے جوشِ جنوں، اے دشمنِ بزمِ نشاط!　　قابلِ مضرابِ عشق اب میرا سازِ دل نہیں

اب مری کشتی نہیں منت پذیرِ ناخدا　　اب مجھے شوقِ ہوائے دامنِ ساحل نہیں

خوگرِ غم مجھ سا دنیائے محبت میں کہاں　　وصل کا پیغام بھی وجہِ سکونِ دل نہیں

یوں تو دل کے لینے والے ملتے ہیں طرفہ بہت

دے کے دل کوئی مگر لیتا ہمارا دل نہیں

—— (۵۳) ——

پلکوں پہ چھانتا ہوں اگر دِ نظر کو میں　　پھر ڈھونڈنے چلا ہوں کسی بے خبر کو میں

دے دعوتِ جمال اگر عرش سے کوئی　　جبرئیلؑ کے پروں پہ بٹھا دوں نظر کو میں

تر ہو کر آنسوؤں میں جو اٹھیں دعا کو ہاتھ　　مٹھی میں باندھ کر ابھی لاؤں اثر کو میں

تو مسکرا کے دے مری سجدوں کی داد اگر　　لوحِ جبیں بنالوں ترے سنگِ در کو میں

ملتا رہے پیامِ خوشی بھی جو گاہ گاہ　　دل سے جدا کروں نہ غمِ معتبر کو میں

تو آنسوؤں پہ میری یونہی مسکرائے جا — جنّت بنا رہا ہوں تری رہگزر کو میں
فیضِ جنوں سے دیکھتا رہتا ہوں شام غم — داغِ جگر میں خندۂ روئے سحر کو میں
زِنداں میں بھی گیا نہ مذاقِ شگفتگی — ہنستا ہوں دیکھ دیکھ کے دیوار و در کو میں
کیا کیا ہُوا ہوں طرفہ ندامت سے ہم کنار — انبارِ بے حسی میں لٹا کر ہنر کو میں

—— (۵۴) ——

تری طرف نگہِ خاص و عام ہے کہ نہیں؟ — کہیں جہان میں تیرا مقام ہے کہ نہیں؟
تری بقا کا کہیں انتظام ہے کہ نہیں؟ — تجھے نصیب حیاتِ دوام ہے کہ نہیں؟
ترے سکوت میں کوئی پیام ہے کہ نہیں؟ — نفس میں سوز نظر میں کلام ہے کہ نہیں؟
خزاں رسیدہ گلستاں پہ خندہ زن کیوں ہے؟ — لطافتِ گُل و لالہ سے کام ہے کہ نہیں؟
قدم قدم پہ بہاروں کو دیکھتا کیا ہے — نفس نفس ترا آتش بجام ہے کہ نہیں؟
بتا بتا ترے عالم ہیں دہر میں کتنے — سمجھ سمجھ تری ہستی غلام ہے کہ نہیں؟
سکوتِ شب میں سوئے چرخ دیکھنے والے! — ستارہ تجھ سے کوئی ہمکلام ہے کہ نہیں؟
تری پیام میں ہے انقلابِ نو طرفہ — ترا پیام خدا کا پیام ہے کہ نہیں؟

—— (۵۵) ——

عزم ہے کوئی حریفِ آسماں پیدا کریں

آتشِ غم کو ہوا دے کر دھواں پیدا کریں
گریۂ پُرسوز میں رنگِ فغاں پیدا کریں
اشک کے اک ایک قطرے سے دھواں پیدا کریں
حُسن کے معصوم جلوے جس کے بازو گیر ہوں
خلوتِ غم میں وہ قلبِ ناتواں پیدا کریں
بیٹھ کر جو مسندِ دل پر کرے شرحِ حیات
صاحبِ دل، ایک ایسا نکتہ داں پیدا کریں
پہلے کرلیں جادۂ علم و عمل کو اُستوار
دل میں پھر جذباتِ نَو کا کارواں پیدا کریں
جس کے ہر تنکے کی جنبش بن سکے سازِ بہار
عرصۂ گیتی میں ایسا آشیاں پیدا کریں
مانگ لائیں حُسن کی خندہ لبی سے اک سکوں
بے قراری سے قرارِ جسم و جاں پیدا کریں
حُسن کے مغرور جلوے ہوں جہاں خود سرنگوں
وہ مقامِ بندگی وہ آستاں پیدا کریں

اب بھی ہو سکتے ہیں طے قدوسیت کے مرحلے
دل سے تا حدِ یقیں ہمواریاں پیدا کریں

بے پر و بالی نہیں ہے مانع پروازِ شوق
گوشہ گیرانِ قفس عزمِ جواں پیدا کریں

ہر نظر پر سامنے ہو حُسن کا رنگیں قدم
ہر قدم پر ایک سجدے کا نشاں پیدا کریں

ہو گیا طرفہ سریر آرائے مُلکِ علم و فن
اب نئے شوشے حریفانِ جہاں پیدا کریں

—— (۵۶) ——

تخیل میں جنوں کی تشنگی محسوس کرتا ہوں
خودی کے بعد پھر اک بیخودی محسوس کرتا ہوں

جگر میں درد آنکھوں میں نمی محسوس کرتا ہوں
بسا اوقات کچھ کچھ زندگی محسوس کرتا ہوں

نشاط افروز دل کی بے کلی محسوس کرتا ہوں
ہر اک آنسو کے قطرے میں خوشی محسوس کرتا ہوں

فروغِ داغِ دل سے ہے مری دنیائے غم روشن
اندھیری رات میں بھی روشنی محسوس کرتا ہوں

نگاہِ حُسن شاید ہٹ گئی ہے اپنے مرکز سے
جگر کی حدتوں میں اب کمی محسوس کرتا ہوں

جہاں اپنے بھی بیگانہ روی سے کام لیتے ہیں
وہیں اکثر ضرورت آپ کی محسوس کرتا ہوں

وہی وارفتگانِ عشق کی ہے آخری منزل پہنچ کر میں جہاں اپنی کمی محسوس کرتا ہوں
جنوں شاید حصارِ جیب و داماں سے بڑھا آگے لبوں پر بے نیازانہ ہنسی محسوس کرتا ہوں

تری شعروں میں طرفہ بادۂ شیراز کی بو ہے
تری نغموں میں کیفِ سرمدی محسوس کرتا ہوں

—— (۵۷) ——

ایک ہنگامۂ امین تہہ داماں کر دیں دل کی رگ رگ کو تجلی گہہِ عرفاں کر دیں
ختم اب قصۂ تجدید بہاراں کر دیں دل کے ہر داغ کو شمعِ درِ زنداں کر دیں
حسن کو عشق کی صورت سے نمایاں کر دیں اک تماشا سا سرِ عالمِ امکاں کر دیں
منتشر مہرِ جہاں تاب کی کرنیں کیوں ہوں اِن خدنگوں کو بھی پیوستِ رگِ جاں کر دیں
جذب جو ضبط کے دامن میں ہوئے ہیں شبِ غم پھر انھیں اشک کے قطروں کو نمایاں کر دیں
تو بھی کیا دل کی طرح سوز بداماں ہوگا؟ تجھ کو بھی سازِ نفس شعلۂ عریاں کر دیں؛
تابکے شکوۂ تاریکیٔ بزمِ ہستی دل کی فانوس میں اک شمع فروزاں کر دیں

بیٹھ سکتے نہیں پھر چین سے وہ اے طرفہ
ہم اگر اپنی تمنا کو پریشاں کر دیں

—— (۵۸) ——

ہم گوہرِ مقصد پانے کا جس وقت ارادا کرتے ہیں
تنکوں کا سہارا لیتے ہیں طوفان سے کھیلا کرتے ہیں

ہم اپنی حقیقت کے عریاں کرنے کا ارادا کرتے ہیں
وہ دُھول اُڑا کر جلووں کی، آنکھوں میں اندھیرا کرتے ہیں

کلیوں کی چٹک پھولوں کی ہنسی سب اُن کے تبسّم کا ہی فسوں
آپ اپنی ادا پر مرتے ہیں آپ اپنا تماشا کرتے ہیں

زلفوں کو بکھیرے بیٹھے ہیں وہ مصحفِ رُخ پر محفل میں، !
اب دیکھنا یہ ہے کس کس کے ایمان کا سودا کرتے ہیں

اللہ رے آغازِ الفت، اللہ رے انجام حسرت
پہلے تو نظر کو چھیڑا تھا اب روح سے کھیلا کرتے ہیں

ہے اُن کا تجسّس اپنی تلاش، اور اُن کا توصّل اپنا ملاپ
جب ڈھونڈنا ان کو ہوتا ہی ہم خود کو چھپایا کرتے ہیں

طرفہ یہ محفل تو نے کیوں عشق کا قصّہ چھیڑ دیا!
ہر بات کو سوچا کرتے ہیں ہر بات کو سمجھا کرتے ہیں!!

—— (۵۹) ——

اُڑائیں دھجیاں دامن کی جب ہم نے بیاباں میں
"بہاریں پھول برساتی ہوئی آئیں گلستاں میں"

چھپا رکھا تھا جن کو دیدۂ خونابہ افشاں میں
وہی آنسو ستارے بن گئے رحمت کے داماں میں

سرشکِ غم سمٹ آئے ہیں جب سے چشمِ حیراں میں
بہاریں رقص کرتی ہیں مرے چاکِ گریباں میں

جو گائے تھے کسی نے بربطِ کُن پر ازل کے دن
وہ نغمے لے رہے ہیں کروٹیں اب بھی رگِ جاں میں

اسیرانِ قفس نے آہ کچھ اس زور سے کھینچی ؛
قفس کی تیلیاں اُڑ کر چلی آئیں گلستاں میں

تصوّر کی کرشمہ سازیاں واللہ کیا کہیے
کھلونا بن گیا کوئی مذاقِ چشمِ حیراں میں

نمک پاشی مرے زخموں پہ وہ کس طرح فرمائیں
ہزاروں زخم مُنہ کھولے ہوئے ہیں خود نمکداں میں

مری بیچارگی پر ناخدا کیا غور فرمائے

میں خود موجوں کی نبضیں دیکھتا رہتا ہوں طوفاں میں
ہوا دینی ہے کس مے کے داغِ دل کو آج ای طرفہ!
وہ کیوں دامن جھٹکتے آئے ہیں گورِ غریباں میں!!

——(٦٠)——

مجھے نہ چھیڑ ستم گر کہ دل جلا ہوں میں
جو پھُوٹ پھُوٹ کے رو وہ آبلا ہوں میں
جہاں میں ہے مری تخریب وجہ صد تعمیر
بگڑ بگڑ کے کئی بار بن چکا ہوں میں
ریاضِ دہر میں دشمن بھی ہیں عزیز مجھے
گُلِ شگفتہ ہوں کانٹوں سے کھیلتا ہوں میں
دکھائی کیوں نہیں دیتی شبِ ناز کی صبح!
یہ کس کی زُلفِ دوتا سے اُلجھ گیا ہوں میں
ستارہ سازِ ازل سے ہی جس کی سعیٔ بلیغ
وہ مسکراتی ہوئی روحِ ارتقا ہوں میں
فرشتے میری تقدس کی ہوں نہ کیوں قائل
جو بزمِ قُدس میں گونجی تھی وہ صدا ہوں میں
ملی ہے عشق سے رنگینیٔ سخن طرفہ
بہار بن کے زمانے پہ چھا رہا ہوں میں

——(٦١)——

یہ کس کو آیا خیال میرا یہ میں کسے یاد آ رہا ہوں؟
جگر کی بے تابیوں میں کچھ کچھ سکون سا آج پا رہا ہوں

بنجم

یہ ماہ وانجم یہ نقرئی شب، یہ مسکراہٹ یہ جگمگاہٹ

یہ کس کی اُلفت کے ہیں کرشمے کہ ہر طرف حُسن پا رہا ہوں

تمھیں مبارک تمھاری محفل یہاں سے اُکتا گیا مرا دل

مری ادائے رہیں سلامت میں اپنی منزل پہ جارہا ہوں

یہ کُنجِ ہستی یہ مَوت کا گھر، یہ دل کے نغمے نشاط پرور!

فنا کی مسند پہ بیٹھ کر بھی حیات کا لطف اُٹھا رہا ہوں

تُو میرے تصویر خانۂ دل کی طرفہ کاری تو دیکھتا جا

یہ کس کی صورت کا عکس لیکر میں اپنی صورت بنا رہا ہوں!

یہ کیا خبر دیر ہے کہ کعبہ یہاں تو ہے عبدیت کا سودا

کیا ہے تونے جہاں اشارہ وہیں سر اپنا جھکا رہا ہوں

یہ شب کا ہیجان نواز عالم نہ کوئی مونس نہ کوئی ہمدم

تو پھر کسے میں فسانۂ غم سسک سسک کر سنا رہا ہوں

میں اُس جگہ ہوں مقیم طرفہ قدم قدم پر جہاں ہی فتنہ

مگر خدا ہے مرا محافظ کہ آج تک مسکرا رہا ہوں

——(۶۲)——

زندگی گریۂ پیہم کے سوا کچھ بھی نہیں　　مدعا زیست کا جز سیلِ فنا کچھ بھی نہیں
دل، کہ ہے ہستیٔ موہوم کی جس پر بنیاد　　اک بھڑکتے ہوئے شعلے کے سوا کچھ بھی نہیں
جبر سامانیٔ احساسِ محبت توبہ!　　تم نے وہ درد دیا جس کی دوا کچھ بھی نہیں
زندگی لاکھ سہی مثلِ شعاعِ خورشید　　آدمی قطرۂ شبنم کے سوا کچھ بھی نہیں
کیا تعجب ہے ابھی مائلِ نوحہ ہو جائے　　اعتمادِ دلِ اندوہ فزا کچھ بھی نہیں
پچھلی باتوں پہ نہ جا، اپنے تغافل پہ نہ رو　　مجھ کو ایامِ گزشتہ کا گلا کچھ بھی نہیں
اپنا عرفان تو انسان کو پہلے ہو جائے　　کون کہتا ہے محبت کا صلا کچھ بھی نہیں؟

سب یہ طرفہ تری نم دیدہ نظر کا ہے فریب
یہ بہاریں یہ فضائیں یہ گھٹا کچھ بھی نہیں

—— (۶۳) ——

عارفِ جمالِ دوست جب سے ہو گیا ہوں میں　　ذرے میں بھی سورج کی تاب دیکھتا ہوں میں
چھیڑ کیوں کریں نظریں مطربِ خوش الحاں کی　　محفلِ جہاں میں اک سازِ بے صدا ہوں میں
میں، اور اپنی ہستی کا اعترافِ بے رنگی!　　فیصلہ کرے دنیا کون ہوں میں کیا ہوں میں
کیوں نہ دیکھیں مجھ کو بھی تیرے دیکھنے والے　　آئنے کا جوہر تو اور آئنا ہوں میں
ہر نفس ہے اک نغمہ تیرے سازِ پنہاں کا　　ہر نفس سے تیرا ہی ذکر سن رہا ہوں میں

برق زانگاہوں سے مجھ کو دیکھنے والے! اپنے سوزِ ہستی میں خود ہی جل رہا ہوں میں

اپنے دل میں دیکھے ہیں جب سے جلوے فطرت کے
راز دارِ صد معنیٰ ظرفہ بن گیا ہوں میں

—— (۶۴) ——

اُٹھ اے دل تصور کی محفل سجائیں جہاں ہوں وہاں سے اُنھیں کھینچ لائیں
جہاں بجلیاں رقص کرتی ہیں پیہم اُن آنکھوں میں اپنا نشیمن بنائیں
وہ راہِ محبت ہے راہِ محبت جہاں ہر نفس پر قدم ڈگمگائیں
ہمہ وقت آہیں ہمہ وقت نالے کہاں تک دلِ غمزدہ کو منائیں
وہ عہدِ جوانی وہ مخمور راتیں وہ دن میرے اللہ پھر لوٹ آئیں
کریں کیوں شبِ ہجر ظلمت کا شکوہ نظر سے ستاروں کی شمعیں جلائیں
محبت میں اک وقت ایسا بھی آئے ہمیں وہ بلائیں مگر ہم نہ جائیں

بہت دن میں ٹوٹا ہے ظرفہ کا تقویٰ
چلو آج نو روزِ بادہ منائیں

—— (۶۵) ——

جو گیت سازِ محبت پہ گائے جاتی ہیں اُنھیں میں درد کے آثار پائے جاتی ہیں

وہ کیوں نہ مصحفِ رُخ پر بکھیر دیں گیسو　　　اِسی ادا پہ تو ایمان لائے جاتے ہیں
ہم اپنے بر بطِ خاطر پہ کیوں نہ اِترائیں　　　اِسی پہ گیت محبت کے گائے جاتے ہیں
تمھاری حُسن کی جلوے ہیں کس قدر ہمہ گیر　　　تمام منظرِ فطرت پہ چھائے جاتے ہیں
الٰہی میکشِ اُلفت کا ہو وہیں مدفن　　　جہاں کی خاک سے ساغر بنائے جاتے ہیں
سکوت آج ہے طاری فضائے عالم پر　　　کہیں ہمارے فسانے سنائے جاتے ہیں!
حریم حسن ہے اک امتحان گاہِ نظر　　　بہت ہی دیر میں پردے اُٹھائے جاتے ہیں
ہے جُزوِ فطرتِ آدم تڑپ محبت کی　　　اسی سے حضرتِ انسان بنائے جاتے ہیں

بنے ہیں ہم اسی "سی-پی" کی خاک سے ظرفہ
جہاں بہار میں موتی لٹائے جاتے ہیں

—— (۶۶) ——

میری قصرِ رنگیں میں ظرفہ تر تماشے ہیں　　　میں نے سنگِ خارا سے آئینے تراشے ہیں
کتنی زندگیوں کو انقلاب نے لوٹا　　　اک طرف کراہیں ہیں ایک سمت لاشے ہیں

—— (۶۷) ——

وہاں مجھ کو لایا ہے میرا مقدر　　　جہاں خواب کا نام بیداریاں ہیں
کہاں لالہ و گُل، کہاں ماہ و انجم　　　تخیل کی سب شعبدہ کاریاں ہیں

جنھیں اہلِ گلشن سمجھتے ہیں جگنو؛ مرے گُلخنِ دل کی چنگاریاں ہیں

وہاں تک ہی پرواز طرفہ ہماری
جہاں تک نگاہوں کو دشواریاں ہیں

(۶۸)

ملال آشنا دل تو کر ہی دیا ہے ہمیں بھی ملالِ مجسّم بنا دو
کبھی تو کوئی دے ہی دیگا سہارا گرادو نگاہوں سے اچھا گرا دو

رہِ عشق میں کام کیا عاقلوں کا یہ رستہ ہے آوارگانِ وفا کا
خرد کیوں ہوئی ہے یہاں دخل فرما اسے شاہراہِ جنوں سے ہٹا دو

بُلا کر حریمِ توجّہ میں اپنے کسی کو رُلانا بھی کوئی ادا ہے؟
محبّت کو جب پاؤں چلنا سکھایا نگاہوں کو بھی مسکرانا سکھا دو

کہاں وہ قیامت کا خوابیدہ میداں کہاں چشم بر راہ گورِ غریباں!
یہیں ہیں تمھاری محبّت کے مارے یہیں سے نیا کوئی فتنہ جگا دو

کہاں تم کہاں حُسنِ زیبا تمھارا کہاں ہم کہاں شوقِ جلوہ ہمارا؟!
محبّت کی پرواز اگر دیکھنی ہے نگاہوں میں جبریلؑ کے پر لگا دو

رہے سادہ سادہ سی کیوں بزمِ گردوں کوئی رنگ تو اس میں ہو عکس آرا

ستاروں کی ہر جُنبشِ نقرئی میں محبت کے زرّیں ترانے ملا دو
اگر حُسن اور عشق میں رابطہ ہے تو کیوں چرخ کی اوٹ سے جھانکتے ہو!
نگاہوں کو تکلیف ہونے لگی ہے یہ پردہ بھی اب درمیاں سے ہٹا دو
یہ دیر و حرم یہ کشاکش کے میداں، یہ جولانگہِ ذہنِ گبر و مسلماں!
یہیں سے دو راہے ہوئے ہیں نمایاں چلے آؤ اور ان کی بنیاد ڈھا دو
تمھاری توجہ کے سب کھیل ہیں یہ گدازِ جگر ہو کہ سختیٔ خارا
جو تم چاہو پتھر بھی بنجائے انساں، جو تم چاہو انساں کو پتھر بنا دو
مِری ارتقائی تگ و دو سے طرفہ تمھیں اس قدر کیوں ہے گہری کدورت!
اگر اتنی قدرت ہے تم میں تو بڑھ کر مجھے میری منزل سے پیچھے ہٹا دو

—— (۶۹) ——

حکایتِ گُل و سرو و چمن کو ختم کرو　　　بہارِ شوق کے ہر بانکپن کو ختم کرو
نہ پُھول ہونگے نہ سر اپنا خار اُٹھائیں گے　　　جُوئی کو ختم کرو نسترن کو ختم کرو
شرافتوں کی جبینوں پہ بل نہیں اچھے　　　فضائے دہر سے ہر سفلہ پن کو ختم کرو
خلوص نام ہے انسانیت کے جوہر کا　　　خدا کے واسطے ہر مکر و فن کو ختم کرو
کرے جو دل میں بہر گام دغدغے پیدا　　　تم اُس منافقتِ ہمت شکن کو ختم کرو

دلوں پہ چھائی رہیں گی کدورتیں کبتک!　　نزاعِ فرقہ ورانِ وطن کو ختم کرو
وقارِ مذہب و ملت پہ حرف آتا ہے　　بیانِ زمزم و گنگ و جمن کو ختم کرو
ہُوا جو ہونا تھا انجامِ کارزارِ حیات　　اب انقلاب کے ہر نعرہ زن کو ختم کرو
مآل جس کا جُز ایضاعِ وقت کچھ بھی نہ ہو　　اُس ارتقائے مذاقِ سخن کو ختم کرو
جس انجمن میں نہ ہو قدرِ اہلِ علم و کمال　　یہ میرا حکم ہے، اُس انجمن کو ختم کرو
بنامِ حضرتِ یزداں بہ ضربِ الّا اللہ　　دلوں سے وسوسۂ اہرمن کو ختم کرو

تقاضا اب تو زمانے کا اور ہی کچھ ہے
غزل سے طرفہ بیانِ کہن کو ختم کرو

——— (۷۰) ———

نہ لو مرے دلِ غم آشنا کا نام نہ لو　　وفا کی قدر نہیں ہے وفا کا نام نہ لو
ابھی ابھی مری توبہ نے آنکھ کھولی ہے　　خدا کے واسطے کالی گھٹا کا نام نہ لو
نکل نہ جائیں کہیں اُن کی آنکھ سے آنسو　　بُتوں کے سامنے ہنس کر خدا کا نام نہ لو
وہ آرہے ہیں علاجِ نگاہ و دل کرنے　　دوا کو دُور ہی رکھو دوا کا نام نہ لو
پکارو اُٹھ کے مری زندگیٔ رفتہ کو　　کرو نہ موت کی باتیں قضا کا نام نہ لو
حیات کانپتی ہے، زندگی لرزتی ہے　　کسی غریب کی آہِ رسا کا نام نہ لو

ہمارے علم میں طرفہ کا شغلِ باطن ہے
ہمارے سامنے اُس پارسا کا نام نہ لو

——— (۷۱) ———

جنوں نے جب کبھی چھیڑا ہماری چشمِ خوش فن کو　　تو ہم نے موتیوں سے بھر دیا صحرا کے دامن کو
بہاروں نے نوازا جب فضائے صحنِ گلشن کو　　تو کانٹوں کی شتون بھی کچھ ملی پھولوں کے مسکن کو
سکونِ شاخِ گل پر کون کہتا ہے نہیں ممکن　　سلیقے سے کوئی رکھّے تو بنیادِ نشیمن کو!
سوائے چند کانٹوں کے چمن کو کچھ نہیں ملتا　　خزاں آکر جھٹک دیتی ہے جب پھولوں کے دامن کو
اندھیرا جلوہ گاہِ حسن میں اچھا نہیں موسیٰؑ!　　اُٹھو پھر سے جلا آؤ چراغِ شامِ ایمن کو
بہت سے کام اُس کی دشمنی سے میرے نکلے ہیں　　خدا کچھ روز زندہ اور رکھّے میرے دشمن کو
جہاں تک پھیلتی جاتی ہیں سائے لالہ و گل کے　　وہاں تک ڈھونڈتی ہیں بجلیاں میرے نشیمن کو

تکلّف سے ہو عاری کیوں مری فکرِ سخن طرفہ!
تکلّف کی ضرورت ہے ادب میں صاحبِ فن کو

——— (۷۲) ———

میں نفیرِ بزمِ حیات ہوں مری ہر نوا میں گداز ہو
اُٹھے میرے دل سے دہ غم کی لَے جو وداغِ پردۂ ساز ہو

مجھے آرزو تری دید کی تجھے شوقِ خلوتِ ناز ہو
وہ گھڑی کبھی آئے خدا کرے کہ تو ذوق و شوق نواز ہو

ترا خندۂ لبِ ناز ہیں جو ہو زخمہ کارِ رگ آفریں
ابھی گنگنائے چمن کی رُت ابھی پھول نغمہ طراز ہو

نہ اُٹھائے میری طرف نظر نہ بنے حریفِ مذاقِ دل
مری اصلیت سے جو باخبر یہ جہانِ شعبدہ باز ہو

یہ تری اُچٹتی ہوئی نظر کہیں دل کا شیشہ نہ توڑ دے
مجھے اُس نگاہ سے دیکھ تُو جو نگاہ آئنہ ساز ہو

یہ حرم کا چترِ فلک نشیں، نہ گھٹا نہ ابر دہوا کہیں
تری زُلف سایہ فگن رہے تو ہماری جی سے نماز ہو

یہ زمیں کی پستیٔ غم نشاں، یہ فلک کا اوجِ ضرر رساں
مجھے وہ جہان بتا جہاں نہ نشیب ہو نہ فراز ہو

وہی **طرفہ** شاعرِ خوشنوا کہ فنا میں بھی ہے جسے بقا
جو رہے تو عرشۂ عرش پر جو مٹے تو خاکِ حجاز ہو

———(۷۳)———

دُعائے صُبح گاہی گُم، سرِ بابِ اثر کیوں ہو — سمجھتے ہیں جسے ہم معتبر نامعتبر کیوں ہو
سوادِ شامِ غم سرِ رگِ بیابانِ سحر کیوں ہو — محبت منفعل ہو جائے لیکن اس قدر کیوں ہو
ہماری حسرتوں کا سلسلہ پائندہ تر کیوں ہو — جو رونا ایکدن کا ہے وہ رونا عمر بھر کیوں ہو
محبت خود بگڑ کر اپنا مستقبل بنالے گی — تجلّیِ حُسن کی پروردگارِ خیر و شر کیوں ہو
مرے گلشن کا ہر تنکا جنوں زارِ لطافت ہے — مری جانب نگاہِ موسمِ دیوانہ گر کیوں ہو
نواسنجانِ اُلفت میں جذبہ ہو نہیں سکتا — گلوگیرِ شبِ غم نالۂ مرغِ سحر کیوں ہو
محبت حدّتِ جذبات سے شعلے بناتی ہے — پگھل کر آرزو دل کی سرشکِ چشمِ تر کیوں ہو
جسے اپنے لئے ہم نے اُٹھا رکھا ہے مدّت سے — محبت کا وہ اک سجدہ تمہارے پاؤں پر کیوں ہو
اسیری خود ہی جزوِ ارتقائے روحِ آزادی — جوانانِ قفس کو احتیاجِ بال و پر کیوں ہو
ہم اپنا حاصلِ فکر و نظر خود اخذ کر لیں گے — کوئی کافر ہمارا مرکزِ فکر و نظر کیوں ہو

اُسی کو ساتھ لیں گے ہم جو ہو منزل شناسِ دل
کوئی بے راہرو طرفہ ہمارا راہبر کیوں ہو

(۷۴)

تعمیر کو تخریب کے شانوں پہ بٹھاؤ — جس ذرّے کو برباد کرو طور بناؤ
تاریکیِ ادبار کو دُنیا سے مٹاؤ — ہر ذرّے کو خورشیدِ جہاں تاب بناؤ

سُورج کی کرن پھُول کا دامن سِیئے گی　　　تم اپنی نگاہوں کو ذرا کام میں لاؤ
ایسا نہ ہو برتیں کہیں اپنے بھی تغافل　　　ساحل سی بہت دور سفینے کو لگاؤ
ذرّے ہو تو خورشید کی کرنوں کو کرو جذب　　　شبنم ہو تو دُنیا کی ہر اک چیز پہ چھاؤ

ہر شاخ پہ گلشن کی نشیمن نہ بنے گا
ہر شاخ پہ اے طرفہ نشیمن نہ بناؤ

—— (۷۵) ——

کشتی میں گھرا کیوں بیٹھا ہے طوفان کی ہمت لیکر اُٹھ
گرداب میں شعلے پیدا کر موجوں سے حرارت لیکر اُٹھ
ہاتھوں سی گریباں دور نہیں غم ہے تو جنوں مجبور نہیں
ہر ذرّے میں صحرا پنہاں ہے اُٹھ جذبۂ وحشت لیکر اُٹھ
کیوں صحنِ چمن میں بیٹھا ہے آزردہ نظر افسردہ جگر
شبنم کی لطافت کیا شئے ہی؛ پھولوں کی لطافت لیکر اُٹھ
وہ حُسنِ مجسّم جانِ وفا، وہ نور سراپا ماہ لقا
خود تیری نظر بن جائے گا دیدار کی حسرت لیکر اُٹھ
احساسِ خودی آسان سہی اظہارِ خودی آسان نہیں

تبریزؒ کا جذبہ پیدا کر منصورؒ کی ہمّت لے کر اُٹھ

یہ کاہکشاں، یہ برق و شرر، یہ نور و ضیا یہ شمس و قمر
بن جائیں گی تیری راہ گزر چلنے کی جسارت لے کر اُٹھ

جز سکۂ غم، داغِ عصیاں، اور پاس ہے کیا طرفہ تیرے!
اُٹھنا ہی اگر ہے دُنیا سے ایمان کی دولت لے کر اُٹھ

(۷۶)

میسّر مجھ کو جُرعے جُرعے سے ہے کیفِ رندانہ
مرے ساغر میں کھنچ کر آ گئی ہے روحِ میخانہ

چھلک جائے جو میری بیخودی دل کا پیمانہ
ابھی ہو جائے میخانے سے باہر رازِ میخانہ

فضا میں ہیں انا المحبوب کے نعرے
نہ جانے کس کی صورت دیکھ بیٹھا تیرا دیوانہ

خدا کی شان وہ بھی اک طرف بُت بنکے بیٹھا ہے
ہمیں جس کے لئے ڈھانی پڑی بنیادِ بتخانہ

ہزاروں سُرخیاں آنکھوں سے ٹپکاتا ہے غم آکر
مرتّب جب کہیں ہوتا ہے اک رنگین افسانہ

بھڑکتی ہے کہیں آپ انجمن میں شمع اے ناداں؟
اُسے اپنے پروں سے خود ہوا دیتا ہے پروانہ

اُٹھا دینگے مرے نالے حریمِ حُسن کے پردے
یہ ایقانِ یداللّٰہی، یہ ایمانِ کلیمانہ

ہر اک آنسو میں اس کے جوہرِ سوزِ محبت ہے
یہ کس نے شمع کی آنکھوں میں بھر دی خاکِ پروانہ

غزل گوئی ہے نام اذکارِ حسنِ دوست کا طرفہ
تکلم میں لطافت ہو تخاطب ہو ادیبانہ

— (۷۷) —

جہانِ اُلفت میں ایک ایسا بھی دور آئیگا محرمانہ
کہ عشق کے گرد حُسن گھومی گا خود بانداز والہانہ

وہ کیوں نہ رہ رہ کے چونک اُٹھیں نہیں ہی سونی کا یہ زمانہ
شباب کی خفتہ کاریوں میں مُخل ہیں جذباتِ عاشقانہ

نہیں ہی اب تابِ ضبطِ گریہ خموش مطرب خموش مطرب
ہے میرا نالہ ترا ترنّم، ہے میرا نوحہ، ترا ترانہ

مجھے ہو کیوں احتیاجِ خلوت ہو بار کیوں مجھ پہ بزمِ جلوت
نظر نظر میری شعر و نغمہ، نفس نفس میرا شاعرانہ

حدیثِ فطرت کا ترجماں ہوں مُبصرِ رازِ کن فکاں ہوں
مرا سخن موجِ آبِ کوثر مرا تکلّم پیمبرانہ

چمک رہا ہے جبیں پہ قشقہ فلک پہ جیسے سحر کا تارا
عروسِ فطرت نکھار پر ہے شبابِ رنگیں کا ہے زمانہ

وہ تیری نظروں کی مئے فروشی وہ تقویٰ بر لب مری خموشی
وہ تیرا فردوس کش تبسّم وہ میری حالت تحیّرانہ

اِسی چمن میں اِسی شجر پر یہیں یہیں تھا ابھی ابھی تھا
بتا سکے تو بتا دے گلچیں! کہاں گیا میرا آشیانہ!!
غزل سے ظرفہ ہے جن کو نفرت وہ دیکھیں واکر کے چشمِ عبرت
ہے کس قدر اس میں بسط و وسعت ہے کس قدر جذبِ عارفانہ

—— (۷۸) ——

جلوہ گری کی قوتیں دیدۂ مدعی سے پوچھ　　　دِل کی ظرف نگاہ کر آئینۂ خودی سے پوچھ
مٹ چکی ساری حسرتیں لٹ چکا کاروانِ دل　　　اب یہ داستانِ شوق پوچھ بڑی خوشی سے پوچھ
داغِ جگر کی تابشیں داغِ جگر پہ چھا کے دیکھ　　　چاند کی سینہ سوزیاں پھیل کے چاندنی سے پوچھ
جلوہ بہ جلوہ پیچ و تاب پردہ بہ پردہ اضطراب　　　عشق ہے کتنا مطمئن حُسن کی برہمی سے پوچھ
کتنا چمن گداز ہے تیرا تبسمِ نظر　　　آنکھ اُٹھا روشِ روشن پھول کی دلکشی سے پوچھ
بادۂ انگبیں ہے کیا نغمۂ سرمدی ہے کیا　　　چھیڑ رگِ بہار کو جا کسی رندی سے پوچھ
ظرفہ بلند فکر بن شعر کی برتری سمجھ
رمز و نکاتِ شاعری حضرتِ وارثی[1] سے پوچھ

—— (۷۹) ——

نہ کھا فریبِ یقیں کہ نخلِ وفا کو بالیدگی ملے گی

[1] علامہ سیماب اکبرآبادی

جڑیں ہی جب خشک ہو گئی ہوں تو شاخ کیوں کر ہری ملے گی

مذاقِ اُلفت لطیف ہو گا تو دلکشا ہو گی شامِ غم بھی
اندھیری اُگلیں گی چاند تارے ہر اک طرف روشنی ملے گی

وفا سرشت، اور اس جہاں میں، رہیں امینِ نشاطِ خاطر؟
نظر زمانے کی ہو گی جس پر وہ جیب اکثر تہی ملے گی!

ہماری دل بھی تو ہیں پرستش گہِ جمالِ عروسِ فطرت؛
حرم میں شمعیں جلانے والو! انھیں بھی کیا روشنی ملے گی؟

نہیں ہے فیّاض حُسن اتنا کہ بے ضرورت کسی کو دے کچھ
الم بقدرِ الم ملے گا خوشی بقدرِ خوشی ملے گی

جہاں محبّت کو حُسن خود مُسکرا کے پیغامِ ناز دے گا
وہاں یقیناً مذاقِ ذہن و نظر کو فرسودگی ملے گی

تمھارے عکسِ جمال سے ہے تسلسلِ زندگیٔ عالم
جہاں نگاہوں میں تم نہ ہو گے وہاں ہمیں موت ہی ملے گی

ہماری خندہ لبی کا پرتو ہے مطلعِ مشرقِ محبت
جہاں جہاں مسکرائیں گے ہم وہاں روشنی ملے گی

چمن پرستوں کے دل اُڑیں کیوں خزاں کا قاتل پیام سُن کر
اُنھیں تو کانٹوں کی چھاؤں میں ہی سکون کی زندگی ملے گی

حدودِ غم سے قدم ہٹا کر نہ کر تلاشِ مسرتِ دل
خوشی تو مافی الضمیرِ غم ہے یہ غم کے پہلو میں ہی ملے گی

ادب نوازانِ دہر ظرفہ کریں ادیبوں پہ بھی نوازش
ادیب زندہ اگر رہیں گے ادب کو بھی زندگی ملے گی

——— (۸۰) ———

تاثیر کے پردوں کو چھو آئی فغاں میری　　اب صحنِ عالم میں گونجے گی اذاں میری
اے رحمتِ بے پروا کچھ پاسِ وفا رکھنا　　ایسا نہ ہو محشر میں کھُل جائے زباں میری
ہر گام پر اک فتنہ اٹھتا ہے قدم لینے　　یہ کونسی منزل میں ہے عمرِ رواں میری!
آنکھیں ہوں تو تم دیکھو اُٹھ کر کونین کی ہر شے کو　　میں تجھ کو بتاؤں کیا منزل ہے کہاں میری
وہ دورِ محبت بھی تھا کتنا بہار آگیں؟　　پھولوں میں رہی چشمِ خونابہ فشاں میری
اِس گردشِ پیہم کا نکلے گا نہ کچھ حاصل　　اے چرخِ سُبک مایہ مٹی ہے گراں میری

ہر گام پر اک ظرفہ عنوانِ محبت ہے
رُکتی ہے کہاں دیکھوں اب طبعِ رواں میری

(۸۱)

خرد کی آنکھ میں پڑتی اگر مٹی بیاباں کی
ہنسی اُڑتی نہ دُنیا میں یہ چاکِ گریباں کی

گلوں کیسا کانٹے بھی نمائش کو نکلتے ہیں
چمن میں کس نے لاکر ڈال دی مٹی بیاباں کی؟

خزاں آنے سے پہلے ہی چمن سے کیوں نہ اُڑ جاؤں
کہ خاک اُڑتی ہوئی دیکھی نہ جائیگی گلستاں کی

قدم رکھا ہے کس فتنہ طرازِ حشر نے آکر
بگولا بن کے مٹی اُڑ گئی گورِ غریباں کی

ہمارے بھی قدم اربابِ گلشن کیوں نہیں لیتے
کہ ہم نے بھی تو برسوں خاک چھانی ہے بیاباں کی

چمن والو مبارک ہمکنارِ رنگ و بو ہونا
ادھر بھی کوئی موج آتی نسیمِ صبحِ خنداں کی

ہمارا نام سُن کر یوں زمانہ مُنہ بناتا ہو
کہ جیسے اب ضرورت ہی نہیں ہے اُس کو انساں کی

جگر کے داغ دُود افروزِ نالہ ہو گئے طرفہ
بڑھا دی کس نے لَو آکر چراغِ شامِ ہجراں کی؟

(۸۲)

اللہ رے اُس دَر کے سجدوں کی پذیرائی
اے کاش یہیں آتے آدابِ جبیں سائی

جب میری تخیل میں لی حُسن نے انگڑائی
جنت مرے قدموں میں گر دوں سے اُتر آئی

پھر حُسن کی ہونٹوں سے ضَو عشق کی ٹکرائی
وہ دیکھو کرن پھوٹی وہ دیکھو ہنسی آئی

اے حُسنِ جفا پیشہ اب اپنی خبر لینا
چھوٹا مرے ہاتھوں سے دامانِ شکیبائی!

فطرت نے خود آپ اپنی حیرت کا کیا ساماں   دیکر تری ہاتھوں میں آئینۂ یکتائی

جب شب کی خموشی میں گیت آپکے گاتا ہوں   تاری مری قدموں پر کرتی ہیں جبیں سائی

ہر غنچہ شکن خوردہ ہر گُل عرق آلودہ   یہ کیسی ہوا سنکی، یہ کیسی بہار آئی

رنگینئ عالم کا کیا ذکر کروں طرفہ

کوئی بھی ادا اس کی مجھ کو نہ پسند آئی

—— (۸۳) ——

مری دل میں کون آگیا درد بن کر یہ کس نے محبّت کی بنیاد ڈالی؟

اُتر آئے گردوں سی پلکوں پہ تاری سمٹ آئی آنکھوں میں پھولونکی لالی

مری زمزمہ سنجیوں کی ترانے فرشتے فلک پر نہ کیوں مل کے گائیں

مری ساز میں لحنِ داؤدؑ پنہاں مری نَے میں سوزِ اذانِ بلالی رض

محبّت کی شہ پا کے نکھری ہے دنیا محبّت کی ایما سے چمکی گی عقبیٰ

محبّت ہے صبحِ ازل کی سفیدی محبّت ہی شامِ ابد کی ہی لالی

وہ پاس اپنے ہم کو بلا کر رہینگے ہم اپنا غمِ دل سُنا کر رہیں گے

اثر اپنا نالے دکھا کر رہیں گے دعائیں ہماری نہ جائیں گی خالی

الٰہی یہ ہے اہتمام آج کیسا یہ ہے کس کی آمد کا گلشن میں چرچا

ہُوا محوِ تسبیح اک ایک پتا جُھکی سجدۂ شُکر میں ڈالی ڈالی
بنالو مجھے اپنی آنکھوں کا تارا بجھادو مری تشنگی کو خدا را
یہ زمزم کی جھیلیں یہ کوثر کی قُلزم مری تشنہ کامی سے ہونگی نہ خالی
مرا دل تمھاری تغافل کے صدقے مری جان قرباں ستم پر تمھارے
تمھاری تغافل تمھاری ستم نے مری زندگی میں نئی جان ڈالی
کہاں میکدی میں وہ پہلا سا عالم کہاں وہ صبوحی کہاں موجِ زمزم
وہی بادہ کش ہیں مگر تشنہ تشنہ وہی جام و مینا مگر خالی خالی
یہ چاند اور ستارے یہ گُل اور بُوٹے مظاہر ہیں سب تیری روئے حسیں کی
کسی میں تیری عارضوں کی پھبن ہے کسی میں رچی ہی تری لب کی لالی
مقدر سے ہاتھ آگیا ہے ترا در لگا دی دی اب ہم فقیروں کو بستر
کہاں جائیں تیری توجہ کے سائل امیر دل کے آقا غریبوں کے والی
مذاقِ محبت نکھرنے لگا ہے نظامِ محبت سنورنے لگا ہے
ہر اک سانس دم تیرا بھرنی لگا ہی کسی اور کہتے ہیں فرخندہ فالی؟
کہیں جاکی دامن میں پھیلاؤں کیونکر، مری ہاتھ اب دستِ غیب آگیا ہی
بنایا ہی قسمت نی اُس در کا سائل جہاں کی سخاوت ہی سب سے نرالی

وہ پہلی نظر جس نے بخشا مجھے غم وہ غم جس کا طالب ازل سے ہے عالم
اُسی اک نظر کا ہے اعجاز طرفہ مری شاعری میرا ذوقِ جمالی

—— (۸۴) ——

کلیدِ بابِ ہست و بود ہے شبنم کی رعنائی
شعاعِ مہر کیوں آکر زمیں پر لے نہ انگڑائی!

اُٹھا کر دیکھ نازِ رنگ و بو شبنم کے قطروں کو
اِنھیں بھیگی ہوئی پردوں میں ہے پھولوں کی رعنائی

شبابِ حُسن جب سوزِ درونِ عشق سے گزرا
ہوا دینے لگا یوسف کو دامانِ زلیخائی

ہزاروں رنگ و بوئے انقلابِ نو کی حامل ہے
چمن میں دل گرفتہ قطرۂ شبنم کی انگڑائی

وہاں جس جگہ زمیں نہیں، دل رکھے جاتے ہیں
اُٹھا کر لیگیا مجھ کو مرا ذوقِ جبیں سائی

ستارے مسکراتے ہیں مرے حالِ پریشاں پر
بڑی اونچائی سے مجھکو صدا دیتی ہے رسوائی

مرا ہر شعر طرفہ زندگئ نو کا حامل ہے
مرے ہر مصرع تر میں ہے اعجازِ مسیحائی

—— (۸۵) ——

لتھڑی ہوئی ہے خون میں خاکِ وطن ابھی
دینا ہے ذرے ذرے کو اُٹھ کر کفن ابھی

ترویج اور پائے گی رسمِ کہن ابھی
بگڑا ہوا درست نہ ہوگا چلن ابھی

پھر چرخ پر ہیں ابر کے ٹکڑے رواں دواں
سوکھا نہیں ہے سالِ گنگ و جمن ابھی

کہہ دو انانیت کے دریچے سے جھانک کر
چھیڑے نہ کوئی نغمۂ دار و رسن ابھی

فطرت ہے مست اپنے نئے کاروبار میں
اُلجھا ہوا رہے گا نظامِ کہن ابھی

ہر موڑ پر تو ہو گیا اک اک خدا نصب
اور کتنے بُت تراشے گی یہ انجمن ابھی؟

اے ناظرِ جمالِ چمن! قدرے احتیاط
کجلا رہی ہے نرگسِ افسوں فگن ابھی

"سورج بایں جلال بھی ذرّہ نواز ہے"
شبنم کے ہونٹ چُوم رہی ہے کرن ابھی

اے ناخدا! خدا کے کرم کو نہ بھُولنا
سیلِ سُبک خرام ہے گرداب زن ابھی

ہوتا ہے دیکھیں زخموں کا کس کس کے اندمال
اکسیر بننے والی ہے خاکِ وطن ابھی

ہنستی رہے بہار نکھرتا رہے جنوں
کانٹوں سے سی رہا ہے کوئی پیرہن ابھی

گُل بار کس طرح ہو چمن بندیٔ حیات
کانٹے اُگل رہی ہے زمینِ وطن ابھی

آتشکدوں کی بھُوک مٹانے کے واسطے
کرنے پڑیں گے وقف کئی تن بدن ابھی

یہ قومیت کی پھُوٹ تمدّن کی پھُوٹ ہے
روئے گی پھُوٹ پھُوٹ کے خاکِ وطن ابھی

طرفہ ہے آج بھی وہی دیرینہ کشمکش
چھُوٹا نہیں ہے لوگوں سے دیوانہ پن ابھی

— (۸۶) —

اُن کی نظر کا فیضِ عام آج نہیں تو کل سہی

بادۂ حسن و دورِ جام آج نہیں تو کل سہی
جھوم اُٹھیں گے تشنہ کام آج نہیں تو کل سہی
دیں گے وہ مسکرا کے جام آج نہیں تو کل سہی

ہوگا ضرور شعلہ بار صاعقۂ نہفتہ کار
ہوگا مآلِ سوز عام آج نہیں تو کل سہی

گمرہِ مرکزِ خودی، سوچ طریقِ برتری!
حسن کریگا خود سلام آج نہیں تو کل سہی

جادہ بہ جادہ کُو بہ کُو جلوہ بہ جلوہ ضَو بہ ضَو
اُن کا جمالِ خوش خرام آج نہیں تو کل سہی

جذبہ و جوشِ بیخودی، حاصلِ علم و آگہی!
لیگا جنوں خرد سے کام آج نہیں تو کل سہی

حُسن کی چیرہ دستیاں مٹ کر رہیں گی بدگماں
عشق کرے گا اپنا کام آج نہیں تو کل سہی

عشق میں غم ہے نیک فال، جذبۂ دل رہی بحال
تکملۂ جنونِ خام آج نہیں تو کل سہی

مرغِ ہوس تپیدہ کام ہو گا نہ فائز المرام
آکے رہے گا زیرِ دام آج نہیں تو کل سہی

طرفہ بہ فیضِ وارثی[1] اپنا پیامِ سرمدی
ہو گا قبولِ خاص و عام آج نہیں تو کل سہی

—— (۸۷) ——

آخر بہ جبرِ حسنِ گریزاں گزر گئی
راہِ وفا سے عمرِ پریشاں گزر گئی

ذوقِ نیاز ہو نہ سکا فائز المرام
تخئیل ساز سرحدِ امکاں گزر گئی

موجوں سے کھیلتی ہوئی سیلابِ غم کیساتھ
خندہ بہ کام شورشِ طوفاں گزر گئی

ہر خود پسند پھول کی زلفیں سنوار کر
مشاطۂ بہارِ گلستاں گزر گئی

سمجھے تھے جس کو حاصلِ عمرِ وفائے عشق
وہ نور بار ساعتِ خنداں گزر گئی

طے ہو چکے تمام محبت کے مرحلے
رفعت گہوں سے ہستیٔ انساں گزر گئی

آئینۂ خیال کو دے کر جِلائے نو
ہر انجمن سے فطرتِ خنداں گزر گئی

اپنی نگاہِ شوق بہ آدابِ احتیاط
ہر رہگزر سے خلد بداماں گزر گئی

ذرّے خیال و ذکرِ شبِ غم میں ہی رہے
انگڑائی لیکے صبحِ درخشاں گزر گئی

طرفہ کہاں وہ بارشِ کیف و نشاطِ عشق!
تھی اک ہوائے سلسلہ جنباں گزر گئی

[1] علامہ سیمابؔ اکبرآبادی

(۸۸)

بنائے درد جب دل میں مرے رکھی گئی ہو گی　　محبت نے تڑپنے کی اجازت مانگ لی ہو گی

خزاں جب برگِ گل پہ باغ میں منڈلا رہی ہو گی　　کرن خورشید کی شبنم کے آنسو پونچھتی ہو گی

روا گر غم کے ہاتھوں عشق میں نشتر زنی ہو گی　　تو یہ بھی دیکھ لینا تم کو دُنیا دیکھتی ہو گی

جہاں ہر گام پر اہلِ محبت مُسکراتے ہیں　　وہ جادہ کونسا ہو گا وہ منزل کونسی ہو گی!

مرا ہر سانس ہو گا مبدءِ عرفانِ حق وہ،　　مرے انفاس سے تجدیدِ رسمِ بندگی ہو گی

کہاں سینا، کہاں ایمن، کہاں موسیٰ، کہاں حیرت!　　وہ صورت آپ خود اپنا تماشا بن گئی ہو گی

جہاں ذکر آ گیا ہو گا وفادارانِ اُلفت کا　　وہیں انسانیت نے ناز سے انگڑائی لی ہو گی

بھرم کھُل جائے گا محشر میں سب اپنی محبت کا　　اُنھیں ہم اور ہمیں ساری خدائی دیکھتی ہو گی

دلِ ناداں جنونِ عشق کی تکمیل تو کر لے　　خودی خود ناز بردارِ مزاجِ بیخودی ہو گی

میں چُپ رہ کر بھی اپنے فرض سے غافل نہ بیٹھوں گا　　خموشی بھی مری تفسیرِ رازِ زندگی ہو گی

جہاں اس وقت دنیا کر رہی ہے ہوش کی باتیں　　وہیں شاید جنوں کی عشق نے تکمیل کی ہو گی

اُٹھوں گا وہ سند بزمِ جہاں سے لیکر اے طرفہ
پسِ مُردن بھی لب پر مسکراہٹ کھیلتی ہو گی

(۸۹)

بوئے گل جس وقت گلشن میں پریشاں ہو گئی
دور تک جمعیتِ خاطر کا ساماں ہو گئی

پھوٹ نکلا ہر نفس سے نغمۂ سازِ الست
وہ نظر اُٹھتے ہی مضرابِ رگِ جاں ہو گئی

بنتے بنتے حسن کافر بن گیا وحدت پرست
ہوتی ہوتی ہر ادائے کفر ایماں ہو گئی

وہ تمنا، تھی جو فطرت کی دلِ معصوم میں!
لب تک آئی بھی نہ پائی تھی کہ انساں ہو گئی

تھا ہمارے ہی سکوں تک نظم و ضبطِ کائنات
ہم پریشاں ہو گئے دنیا پریشاں ہو گئی

دل بنا جس دن سے میرا، جلوہ گاہِ حسنِ دوست
شامِ غم بھی میرے حق میں صبحِ رخشاں ہو گئی

تیرگی جس سے سویدا کی بھی ہو جاتی ہے دور
وہ کرن اب مطلعِ داغِ درخشاں ہو گئی

بے نیازی سے لیا جب کام میں نے عشق میں
اُن کی نازش خود بخود سر در گریباں ہو گئی

میری تخیلی مدارج پر ہے طرفہ سب کو رشک
میری ہستی نغمہ سازِ بزمِ امکاں ہو گئی

(۹۰)

فنا تجھ کو کر دیں گے ساتھ اپنے لیکر یہ پھولوں کے جلوے چمن کے نظارے
اگر زندگی چاہتا ہے تو غم کھا کہ انسان جیتے ہیں غم کے سہارے

کہیں شمع کی لو کہیں برقِ لرزاں، کہیں خندۂ گل کہیں چاند تارے
چھپو لاکھ انوار کی چلمنوں میں سمجھتی ہے دنیا تمہارے اشارے

نہ دل پہ ہی قابو نہ تسکیں کا امکاں جگر تفتہ تفتہ نگاہیں پریشاں
محبت میں گزرے ہیں ایسے بھی لمحے کہ دن کو نظر آئے ہیں چاند تارے
کہاں بحرِ ہستی کی ژولیدہ موجیں کہاں تیرا عرفاں، مگر پھر بھی ابتک
چلا جا رہا ہے خراماں خراماں سفینہ خرد کا جنوں کے سہارے
لبوں پر تو مُہرِ خموشی لگا دی کم از کم نظر کو تو گویا بنا دو!
کہ جا کر کہیں اپنے دُکھ کی کہانی سُنائیں کسی کو مصیبت کے مارے
وہ اُٹھتی جوانی وہ کیفِ مجسّم وہ رفتار کا تیری مستانہ عالم
ابھی تک ترا نام لے لے کر اکثر بیاباں میں پھرتے ہیں آہو طرارے
یہ بحرِ جہاں یہ حوادث کا طوفاں کہ ہر موج میں جس کی سو حشر پنہاں
کہیں ہم نے پایا نہ اس کا کنارہ بہت پاؤں پٹکے بہت ہاتھ مارے
ترے در سے لوٹوں میں ناکامِ حسرت، سکوں کی طلب ہے سکوں آ کے کر دے
اگر کھینچ لے تو بھی ہاتھ اپنا ظالم! محبت کہاں جا کے دامن پسارے؟
اُٹھیں لاکھ **طرفہ** حوادث کی آندھی ہوائیں چلیں لاکھ ظلم و ستم کی
بہا دیں گے خاشاک و خس ایک رو میں ہمارے جلو میں ہیں جمنا کے دھارے

—— (۹۱) ——

رہگزارِ ہستی میں ایسے بھی مقام آئے　　راہرو کے ہاتھوں میں نیستی کے جام آئے

اب کے یوں سرِ گلشن ابرِ خوش خرام آئے　　شاخ شاخ مینا ہو پھول پھول جام آئے

بادلوں کے سائے میں جن پہ ہاتھ رکھی تھی　　وہ سہارے اب میری لغزشوں کے کام آئے

اصطلاحِ الفت میں درد نام ہے جس کا　　وہ صفتِ غمِ دل کی حسن کے بھی کام آئے!

جن کی مسکراہٹ پر دی تھی ہم نے جان اپنی　　آج اُن لبوں پر بھی دوسروں کے نام آئے

ناشناسِ غم ٹھہرا بے شعور کہلایا　　اک دلِ فسردہ پر کتنے اتہام آئے!

کچھ نہ پوچھئے ہم سے نرخ زارِ الفت میں　　دل کی کیا لگی قیمت، ہاتھ کتنے دام آئے

کیوں ہمیں نہ راس آئے کشورِ ادب ظرفہ
اپنی زندگی کا ہم کر کے انتظام آئے

(۹۲)

کسی کی یاد ہی دل میں کسی کی یاد میں جاں ہے　　خدا رکھے مرا ہر سانس اک رحمت بداماں ہے

یہ کس کا پرتوِ رنگیں چراغِ زیرِ داماں ہے!　　کہ دل کا گوشہ گوشہ اک تجلی گاہِ عرفاں ہے

کسی کا اختیار، اپنا تصرف، اے زہے قسمت　　ہماری شامِ مجبوری جوابِ صبحِ خنداں ہے

تحیر آفریں ہے کس قدر فطرت کی نیرنگی　　گلستاں میں بیاباں ہے بیاباں میں گلستاں ہے

تصور ہی مجھے اس کے لبوں کی مسکراہٹ کا　　بہاریں جس پہ صدقے ہیں تجلی جس پہ قرباں ہے

محبت میں وہ آنسو بھی کبھی پلکوں پہ آجائے　　　　کہ جس کی روشنی جزوِ شعاعِ مہرِ عرفاں ہے

ابھی تو ہم سلامت ہیں ابھی تو ہم سلامت ہیں　　　　پریشانی ہمارے گھر میں آ کر کیوں پریشاں ہے

نہ پھولیں مطلعِ نو کی سفیدی پر جہاں والے　　　　ابھی اک نقلابِ سرخ کا دنیا میں امکاں ہے

تعرج دیکھنے والے تنزل پر یقیں رکھیں　　　　کہ ہر تعمیر کے پردے میں اک تخریب پنہاں ہے

فلک کی گردشوں کا شکوۂ مہمل نہ کر طرفہ
بشر خود اپنی فطرت میں اک آندھی ایک طوفاں ہے

—— (۹۳) ——

واقف زِ ہر مقامِ این چشمِ جلوہ سازے　　　　گاہے صنم نوازی گاہے حرم نوازے

من بر رُخت نثارم آجاں باین تفاخر　　　　محمود چوں فدا شد بر پیکرِ ایازے

از من باین حیاتے سر زد نہ شد ثباتے　　　　مجرم بہ کارِ خامم لیکن تو کارسازے

حالِ شبِ فراقم از من مپرس ہمدم　　　　طوفاں بہ چشم دارم دریادِ غم نوازے

ہر ہر نفس حدیثِ اسرارِ حُسنِ رنگیں　　　　یک یک نوائے ہستی عقدہ کشا رازے

زاہد بہ سوئے چشمِ ساقی فگن نگاہے　　　　رقصاں مئے حقیقت در ساغرِ مجازے

باشی بہ کارِ عصیاں تا کے اسیرِ طرفہ
توبہ بکن چو خواہی بخششِ زِ کارسازے

(۹۴)

نہ کسی امیر کی جستجو ہے نہ رہنما کی تلاش ہے
مرے کاروانِ نگاہ کو ترے نقشِ پا کی تلاش ہے

نہ حرم کی سمت نظر اُٹھا نہ بڑھا قدم سوئے بتکدہ
وہ ہے دل جلوں کی کراہ مین تجھی جس خدا کی تلاش ہے

یہ جہاں ہے قلزمِ امتحاں، یہاں اپنا خضر ہی ہر جواں
لگے اُس کی ہاتھ کنارہ کیوں جسے ناخدا کی تلاش ہے

نہ بھٹک جہاں میں تو دربدر، نہ اکیلا پھر تو اِدھر اُدھر
مری ساتھ چل مرا ساتھ دی کہ مجھے خدا کی تلاش ہے

مری شوقِ سجدۂ عشق پر رکھے ذرہ ذرہ نہ کیوں نظر
کہ مری جبینِ نیاز کو ترے نقشِ پا کی تلاش ہے

اُٹھے ہر قدم پہ نظر نہ کیوں جھکے دم بدم مرا سر نہ کیوں
رہِ زندگی دراز میں مجھے غم ربا کی تلاش ہے

میں خدا ہوں اور نہ خدا نما مگر اُس کا جزوِ لطیف ہوں
مجھے رکھ تو اپنی نگاہ میں جو تجھے خدا کی تلاش ہے

میں ہوں طرفہ خادم وارثی میں ہوں واقفِ رہِ شاعری
وہ قدم بڑھائے مری طرف جسے رہنما کی تلاش ہے

—— (۹۵) ——

جو دل صنم آشنا نہیں ہے		اُس میں بخدا خدا نہیں ہے
غیروں کا گلہ دُرست لیکن		اپنوں میں بھی تو وفا نہیں ہے
غم دے کہ خوشی ہو اُس کی مرضی		اپنا کوئی مدعا نہیں ہے
لطفِ غمِ دل، سکوتِ مطلق؟		آزردگی میں بھی کیا نہیں ہے
دنیا میں ہے جستجو وفا کی!		دُنیا میں کہیں وفا نہیں ہے
مانا کہ خوشی ہے عارضی شئے		غم بھی کوئی دیرپا نہیں ہے
میں اور ترے کرم کو بھولوں!		ایسا تو کبھی ہُوا نہیں ہے
کیا جانے مآلِ عشق کیا ہو		اُن پر اثرِ وفا نہیں ہے

طرفہ کی طرف سے مطمئن ہوں
طرفہ کو ترے فنا نہیں ہے

—— (۹۶) ——

دامن چھڑا نہ اپنا عرفان و آگہی سے		لے درسِ بیخودی کا کیفیتِ خودی سے

ے علامہ سیماب اکبرآبادی

چھیڑوں جو میں کسی دن مضرابِ بیخودی سے
نغمے ہزار پیدا ہوں سازِ زندگی سے

اُن کی عنایتوں سے مُنھ پھیرنا بُرا ہے
وہ غم بھی دیں تو لے لے ناداں ہنسی خوشی سے

غم کا ہر ایک شعبہ ہے زندگی کا ضامن
تخریبِ غم نہ کرنا تعمیرِ زندگی ہے!

نادان ہے یہ ہستی یا غم کی چیرہ دستی!
آغاز کر خودی کا انجام بیخودی سے

تحریک کے ہے قابل تجویزِ درد لیکن
تائید چاہتا ہوں میں دل کی خامشی سے

انجامِ کارِ ہستی کیا ہے بجز خموشی!
بے سود ہے اُلجھنا دو دن کی زندگی سے

رنگِ خودی بھی تجھ پر چڑھ جائے گا کسی دن
مانوس پہلے ہو جا نیرنگِ بیخودی سے

میری تڑپ میں طرفہ کونین کی تڑپ ہے
میں فیضیابِ دل ہوں سیمابؔ وارثی سے

—— (۹۷) ——

بہ جبرِ مصلحت تسکینِ جاں کہنا ہی پڑتا ہے
تری غم کو نشاطِ جاوداں کہنا ہی پڑتا ہے

حصولِ دیدہ حسرت مکاں کہنا ہی پڑتا ہے
کبھی اشکوں کو بھی جنسِ گراں کہنا ہی پڑتا ہے

ملاتی ہیں جہاں کو سنگریزے آنکھ سورج سے
وہاں کی سرزمیں کو آسماں کہنا ہی پڑتا ہے

جنھیں راہِ وفا میں پاؤں رکھنا تک نہیں آتا
کبھی اُن کو بھی میرِ کارواں کہنا ہی پڑتا ہے

تمنا سرد، خفتہ آرزو، عاجز نظر، پھر بھی
دلِ بیدار کو گرم و جواں کہنا ہی پڑتا ہے

کہیں ہوتی ہی شرحِ دردِ غم اک آہ بھرنے سے!　　یہ قصہ داستاں در داستاں کہنا ہی پڑتا ہے
مرتب حسن میں کیجاتی ہیں اکثر سرخیاں غم کی　　اُن آنکھوں کو کبھی افسانہ خواں کہنا ہی پڑتا ہے
شکایت برق و باراں کی فلک سے نا روا کیسی؟　　کہ یوں بھی آسماں کو آسماں کہنا ہی پڑتا ہے
فضائے صحنِ گلشن میں پروں کو تولنے والے!　　قفس کو بھی کسی دن آشیاں کہنا ہی پڑتا ہے
بلا کی آگ ہی تجھ میں مگر پھر بھی بپاسِ دل　　تجھے اے آہِ نم بستہ دھواں کہنا ہی پڑتا ہے
جہاں تک گوش و چشم و ہوش لطف اندوز ہوتے ہیں　　وہاں تک زندگی کو داستاں کہنا ہی پڑتا ہے

مسلّم حسن کی دنیا مگر پھر بھی کبھی طرفہ
بہ انوارِ یقیں وہم و گماں کہنا ہی پڑتا ہے

—— (۹۸) ——

تصویرِ صنم جس دل میں ہے اُس دل کا سمجھنا مشکل ہے
تحریمِ حرم تو آساں ہے تحریمِ کلیسا مشکل ہے
یوں لاکھ جھکایا سر تو کیا یوں لاکھ کئے سجدے تو کیا
جو سجدہ خدا کا منشا ہے اے شیخ! وہ سجدا مشکل ہے
ناکامیٔ الفت کا قصہ رو رو کے بیاں کرنا ہے جنوں
وہ کام ہی کیوں انسان کرے جس کام کا بننا مشکل ہے!

عرفانِ جنوں تو حاصل ہے عرفانِ نظر سے ہیں عاجز
کس طرح کسی کو ہم سمجھیں خود اپنا سمجھنا مشکل ہے
تھا حسنِ ازل پردے میں نہاں ہے حسنِ ازل پردے میں نہاں
اُس وقت بھی جلوہ مشکل تھا اس وقت بھی جلوا مشکل ہے
جب تک نہ ہو سودا الفت کا جبتک نہ ہو سر میں جوشِ جنوں
نظروں سے محبّت میں ہمدم! پیمائشِ صحرا مشکل ہے

—— (۹۹) ——

بجتی رہی نغماتی کی دُنیا مرے آگے — ہوتا رہا وجدانِ تمنا مرے آگے
ہنستا ہُوا آیا ہے زمانا مرے آگے — ٹوٹا ہے طلسمِ غمِ دُنیا مرے آگے
غربت میں بھی وحشت کی نوازش نہ ہوئی کم — آتا رہا روز ایک بگولا مرے آگے
سمجھا نہیں مجھ کو ابھی بد ذوق زمانہ — کرنے دو اُسی شور شیں برپا مرے آگے
احساس مجھے اپنی بلندی کا تو ہو جائے — جھک جائیگی اک روز یہ دُنیا مرے آگے
طرفہ مری اک چُپ اُسے کردیگی پشیماں — آئے تو کوئی بولنے والا مرے آگے

—— (۱۰۰) ——

نظر جھکا کے جو دامن سی تم ہوا کرتے — تو ہم بھی ہوش میں آنے کا حوصلا کرتے

تمھاری کم نگہی اور ہماری خودداری
تمھیں بتاؤ کہ ہم کس سے التجا کرتے؟

نکل ہی آتا ترقّی کا راستہ کوئی
اگر کچھ اور بھی ہم سعیٔ ارتقا کرتے

جفائے دوست پہ قربان جان تک کردی
وفا پرست محبت میں اور کیا کرتے!

جنھیں ہے آج مری نامرادیوں کا ملال
وہ کاش پہلے ہی میری لئے دعا کرتے

بغیر اُن کے پیامِ بہار لائی تھیں
برس نہ پڑتی گھٹاؤں پہ ہم تو کیا کرتے!

جو ماسوا سے ہمیں ہوتی کوئی دلچسپی
بِٹھا کے سامنے اُن کو خدا خدا کرتے

بقا سرشت نہیں تھی فنا سرشت تھے ہم
ہمیں نواز کے دُنیا میں آپ کیا کرتے!

دعا پر اپنی بھروسہ تھا ہم کو اے طرفہ
کسی کے کہنے سے کیوں ترکِ مدّعا کرتے

——— (۱۰۱) ———

آپ سا کوئی اگر راہنما مل جائے
ہست اور بُود کی منزل کا پتا مل جائے

جلوۂ حق ہے صفاتِ بشریّت کی دلیل
اُس کو بندہ نہ کہو جس کو خدا مل جائے

عشق کو چاہئے رکھدے وہیں بنیادِ حرم
جس جگہ بھی ترا نقشِ کفِ پا مل جائے

جستجو اپنی ہی دُنیا میں ہی عینِ مقصود
ڈھونڈ آپ اپنے کو اتنا کہ خدا مل جائے

زندگی اُس کی بھی ہے دید کے قابل طرفہ
وہ جسے خاطرِ اندوہ ربا مل جائے

(۱۰۲)

کوئی اُکتائے کیوں اُن کی نہیں سے　　　محبت پختہ ہوتی ہے یہیں سے
جہاں سے اضطرابِ دل ملا ہے　　　سکون بھی مانگ لائیں گو وہیں سے
سلامت عظمتِ دیر و کلیسا؛　　　مگر صورت دکھاؤ تو کہیں سے!
جہاں وحشت میں ہم نے ہاتھ مارا　　　نکل آیا ہے اک صحرا وہیں سے

خرد کی ظلمتیں جب گھر کے آئیں　　　ہزاروں چاند نکلے آستیں سے
محبت میں خیالِ ماسوا کیا!　　　بدل دے وہم کو حسنِ یقیں سے
بھڑک کر شعر بن جاتے ہیں طرفہ
جو شعلے اُٹھتے ہیں قلبِ حزیں سے

(۱۰۳)

مکمل جس قدر تصویرِ عالم ہوتی جاتی ہے　　　مری نشو و نمائے زندگی کم ہوتی جاتی ہے
ترقی کر چکا ہے اس قدر احساسِ ناکامی　　　کہ اب بالیدگیٔ روح بھی کم ہوتی جاتی ہے
وہیں ہے اصل منزل فطرتِ آوارہ منزل کی　　　جہاں رفتارِ سعیٔ ارتقا کم ہوتی جاتی ہے
یہ کس کے گرم نالوں کا اثر لیکر بہار آئی　　　پگھل کر پھول کی رعنائی شبنم ہوتی جاتی ہے

وہ دُزدیدہ نظر جس پہ گمانِ ناوکِ غم تھا　　وہی اب میرے زخمِ دل کا مرہم ہوتی جاتی ہے

پیامِ شادمانی لیکر آخر کیا کروں طرفہ
کہ میری ہر خوشی اب مستقل غم ہوتی جاتی ہے

——— (۱۰۴) ———

جب حدِ احتیاط میں دیوانے آ گئے　　ہر منظرِ بسیط پہ لہرا کے چھا گئے
آنسو اُمنڈ کے جب ہی آنکھوں میں آ گئے　　غم کی دہکتی آگ کو پانی بنا گئے
انگڑائی لے کے فتنہ گری پر جب آ گئے　　ذرّے تری گلی کی قیامت اُٹھا گئے
کس کو بتائیں منزلِ اُلفت میں راہبر　　رستہ بتانے والے تو رستہ بتا گئے!
اشکوں نے لاج رکھ لی دمِ پرششِ گناہ　　بیچارے کچھ نہیں تھے مگر کام آ گئے
اب اے دلِ ملول یہ ہیں کیسے شوخیاں　　کیا اُن کے مسکرانے کی انداز آ گئے!
تھی زندگی خیال سے جن کے گریز پا　　وہ دن بھی رفتہ رفتہ بہت پاس آ گئے
اب کیا کروں علاجِ تپش ہائے ضبطِ شوق　　آنسو تو اور تشنگیٔ دل بڑھا گئے!
حسنِ نظر نواز کا اللہ ری فریب　　پھر گھوم پھر کے ہم اسی مرکز پہ آ گئے
دُنیا کو کیا پڑی تھی کہ دیتی ہمارا ساتھ　　چار آنسو آئے درد کی میّت اُٹھا گئے
بیباک کس قدر ہیں تری مجرمانِ عشق　　تجھ کو پکارتے ہوئے پیشِ خدا آ گئے

جن میں قدم قدم پہ تھا اک محشرِ جنوں ایسے بھی کچھ زمانے ہمیں راس آ گئے

طرفہ فریبِ ہستیٔ فانی کا ذکر کیا!
دھوکے میں ہم کو آنا تھا دھوکے میں آ گئے

—— (۱۰۵) ——

تیرا جمال مطلعِ دل پر اگر ملے دُنیا مرے خیال کی تابندہ تر ملے
اخلاص کی حدوں میں کوئی نوحہ گر ملے! ہر اشک میں دفینۂ لعل و گہر ملے
ہے دل کیساتھ صاحبِ دل کا معاملہ جب ابتدا ہی گم ہو تو کیوں کر خبر ملے؟
اُڑنے لگی ہیں دامنِ ہستی کی دھجیاں مُدّت کے بعد اب مری وحشت کو پر ملے
جن کی خودی تھی آئنہ دارِ مقامِ عشق وہ چہرے مُسکراتی ہوئی دار پر ملے
منزل شناسِ دل نظر آیا نہیں کوئی یوں تو قدم قدم پہ کئی راہبر ملے
میخانۂ جمال کی سرمستیاں نہ پوچھ ڈوبی ہوئے سُرور میں دیوار و در ملے
تیری طرح مجھے ترا غم بھی عزیز ہے لیکن بقدرِ حوصلۂ دل جگر ملے
مرغانِ نوگرفتہ کا حالِ تبہ نہ پوچھ ایک ایک شاخِ گُل پہ کئی بال و پر ملے
پہنچا تری گلی میں جنھیں لیکے سوزِ عشق وہ ذرّے جگمگاتی ہوئی چرخ پر ملے
جس کا براہِ راست ہو تجھ سے معاملہ دُنیا میں کیوں کسی سے وہ جُھک کر بشر ملے

طرفہ دکھائیں ہم بھی اُسے اک جہانِ حُسن
جلوہ شناسِ دل کوئی ہم کو اگر ملے

(۱۰۶)

پھر رہا ہی کوئی دشنہ در نظر میرے لئے — وقف ہی ہر گردشِ شام و سحر میرے لئے
جب ہُوا بدچین کوئی عرش پر میرے لئے — آئی پھیلائے ہوئے جبریلؑ پر میرے لئے
رقص فرما دوشِ صرصر پر ہیں سنبل کی لٹیں — "خندہ رو" ہی نرگسِ بادہ اثر میرے لئے
ہے تجسس میں مری خورشید کی اک اک کرن — مل گئی شبنم کو بھی کچھ بال و پر میرے لئے
پھُول کھلتے ہیں بیابانوں میں میرے واسطے — مُسکراتی ہی گلستاں کی سحر میرے لئے
میں فنا کی منزلوں میں بھی بقا بردوش ہوں — زندگی کھولی ہوئی ہی اپنے پر میرے لئے
ٹک چکی ہیں اب ستارے چادرِ مہتاب میں — ہو گئی بدچین اب ثریا کی نظر میرے لئے
میری فریادوں نے پایا ہی فرشتوں سی خراج — چومتا ہی مُنہ دعاؤں کا اثر میرے لئے
آندھیوں سی میں نے پائی قوتِ پرواز شوق — لائی ہیں اُٹھ کر بگولے بال و پر میرے لئے
جھومتے رہتے ہیں جگنو جھینگروں کی تان پر — گنگناتی ہیں اندھیری رات بھر میرے لئے
بعد میرے سرد پڑ جائیگی نبضِ رنگ و بو — شام سی روئے گی شبنم تا سحر میرے لئے
زندگی سی اپنی کیوں نفرت مجھے ہونے لگے! — کونسا لمحہ نہیں ہے کارگر میرے لئے

میرے شعروں سے جنھیں ملتا ہے طرفہ کچھ سکوں
وہ دُعائیں مانگتے ہیں رات بھر میرے لئے

———(۱۰۷)———

کسی دن کام لیکر جذبۂ عشقِ کامل سے
گزر جاؤں گا میں بھی تنگنائے وادیٔ دل سے

میں آخر دوں کسی آواز اُٹھ کر اپنی منزل سے
کوئی واقف نہیں میرے مقام و منصبِ دل سے

بتاؤ تو سہی اس کی طرف دیکھوں میں کس دل سے!
مجھے آواز دیتی ہے یہ دُنیا اپنی منزل سے!

اُٹھا کرتی ہے جن کی لے خردمندوں کی محفل سے
جنوں نے کر لئے پیدا وہ نغمے بھی سلاسل سے

نہ رونا پھوٹ کر اے غم کی چھالو شامِ تنہائی
جو بھر آؤ تو آنسو پونچھ لینا دامنِ دل سے

ستارو! دیکھتے کیا ہو، پئے تسکین اتر آؤ
کوئی آزردہ ہو کر اُٹھ رہا ہے اُن کی محفل سے

کہاں جائے گا رہنے دے، نہ چھیڑ اے چارہ گر اُسکو!
محبت ہو گئی ہے اُن کے ناوک کو مرے دل سے

طلوعِ صبح کے دامن میں اب تک ہے چمک اُس کی
اُڑی تھی ایک چنگاری مری خاکسترِ دل سے

ہمارا دل بنے گا مشرقِ رحمت قیامت میں
وہ سورج بن کے نکلیں گے ہماری گوشۂ دل سے

عجب کیا تیرا خورشیدِ تمنا ہو یہیں پنہاں
اُجالا صبحِ نو کا مانگ میری شامِ منزل سے

بحکمِ وارثی[1] پایا ہے طرفہ میں نے یہ منصب[2]
مجھے کوئی ہٹا سکتا نہیں اب میری منزل سے

[1] علامہ سیماب اکبر آبادی　[2] سندِ اُستادی

(۱۰۸)

کیجئے آپ کا جو نشا ہے	ناگوارا بھی اب گوارا ہے
گاہ دلجوئی گاہ دلسوزی	ہائے کس کس ادا سے مارا ہے
فطرتاً صاحبِ جمال سہی	خلقتاً آدمی تماشا ہے
میری مجبوریٔ وفا کا سماں	جس نے دیکھا ہے اُس نے دیکھا ہے
دل کو ٹھنڈا کیا ہے رو رو کر	پانی پی پی کے دن گزارا ہے
آپ کا انتظار ارے توبہ!	اعتبارِ وفا بھی دھوکا ہے
بات بھی کھُل کے کر نہیں سکتے	کتنا مجبوریوں نے گھیرا ہے
ہر تمنا نے ساتھ چھوڑ دیا	اے غمِ دل ترا سہارا ہے
اُس طرف بجلیاں ہیں ہونٹوں پہ	اِدھر آنکھوں تلے اندھیرا ہے
ہائے انجامِ حسرتِ جلوہ!	اب تمھیں اختیارِ پردہ ہے
حُسن کا عالمِ نشاط بخیر	اپنی دُنیا پھر اپنی دنیا ہے

اب اُنھیں کیا جواب دُوں طرفہ
پوچھتے ہیں مزاج کیسا ہے!

رباعیات

(۱)

ایمان کی بنا کُفر کے دل میں ڈالو   مُشرک کے گلے میں کبھی باہیں ڈالو
یزداں کا پتہ پوچھنے والو! اکدن   شیطان کی آنکھوں میں بھی آنکھیں ڈالو

(۲)

شیطاں کی طرف ہاتھ بڑھا کر دیکھو   شُعلے کو کبھی پھُول بنا کر دیکھو
ابلیس ہی یزدان کے رُخ کا پردہ   اس پردے کو اک روز اُٹھا کر دیکھو

(۳)

کعبے میں نہیں! کعبے کے باہر دیکھو   مندر میں، کلیساؤں کے اندر دیکھو
پاؤ نہ وہاں بھی جو تم اس بُت کا نشاں   پھر جا کے کسی کا دلِ مضطر دیکھو

(۴)

نیرنگِ جہاں شعبدۂ ذاتی ہے   آئینۂ تسخیر خدا باتی ہے
دنیا کی کسی چیز کو حسرت سے نہ دیکھ   دنیا کی ہر اک چیز طلسماتی ہے

(۵)

اللہ کو رو رو کے صدا دیتا ہوں — نظروں کو سوئے چرخ اُٹھا دیتا ہوں
جب کوئی مرے دل کو دُکھا دیتا ہے — میں عرش کی زنجیر ہلا دیتا ہوں

(۶)

ہر سانس کو برگشتۂ شر رکھتا ہے — ظُلمت میں تجلّی پہ نظر رکھتا ہے
شاعر کو ہے عرفانِ بصیرت حاصل — امروز میں فردا کی خبر رکھتا ہے

(۷)

انسان تھا مانوسِ وفا ہو کے رہا — دنیائے اخوّت کا خدا ہو کے رہا
ملنی تھی جسے مل گئی دُنیا میں حیات — ہونا تھا فنا جس کو فنا ہو کے رہا

(۸)

جی بھر کے شب و روز ہنسا کرتا ہوں — ناز اپنے مقدر پہ کیا کرتا ہوں
ہے اُن کا تبسم مری رگ رگ میں نہاں — انوار کی موجوں میں رہا کرتا ہوں

(۹)

غم خوردہ و مہجور نہ سمجھو مجھ کو — اپنے سے کبھی دُور نہ سمجھو مجھ کو
ہر وقت نگاہوں میں تمھیں رکھتا ہوں — مختار ہوں مجبور نہ سمجھو مجھ کو

(۱۰)

ہر لمحہ مصائب نہیں سہتا کوئی　　　روز اپنا غمِ دل نہیں کہتا کوئی
ہونٹوں پہ ہنسی بھی کبھی آجاتی ہے　　　مغموم ہمیشہ نہیں رہتا کوئی

(۱۱)

تنقیصِ حقیقت پہ اُتر آئے ہیں　　　توہینِ فراست پہ اُتر آئے ہیں
اب نظمِ زمانہ تہہ و بالا ہوگا　　　اب لوگ بغاوت پہ اُتر آئے ہیں

(۱۲)

تفسیرِ جمالِ رُخِ عرفاں ہُوں میں　　　تقدیر سے تقدیس بداماں ہُوں میں
اسلاف سے ہے مجھ کو محبت طرفہ　　　ارواحِ مقدس کا ثناخواں ہُوں میں

تضمین بر غزل فصیح الملک مرزا داغ دہلوی مرحوم

موسمِ گُل میں باغ جلتے ہیں　　نکہتوں کے دماغ جلتے ہیں
سوزِ مَے سے ایاغ جلتے ہیں　　"روز یوں دل کے داغ جلتے ہیں
جیسے شب کو چراغ جلتے ہیں"

کون اب آئے میرے مرقد پر　　کون اب ڈالے پھول کی چادر
کون شمعیں جلائے رو رو کر　　"بےکسوں کے مزار پر اکثر
بیکسی کے چراغ جلتے ہیں"

اپنی منزل کا مل گیا ہے نشاں　　ہو گئی ہے اُمنگ دل کی جواں
اب یقیں سے بدل گیا ہے گماں　　"اُن کے آنے کی منتیں ہیں یہاں
آج گھی کے چراغ جلتے ہیں"

یہ گلستاں یہ صحنِ خُلد اثر　　یہ شگوفے، یہ شاخ اور شجر
کیف برسا رہے ہیں شام و سحر　　"موسمِ گُل ہے خوب زوروں پر
فصلِ گل ہے کہ باغ جلتے ہیں!"

لائے طرفہ کہاں سے تیرا دماغ　　تو شبستانِ شعریت کا چراغ
تُو نے اُردو زباں کا سینچا باغ　　"سُن کے مضمون تیرے گرم اے داغ!
دشمنوں کے دماغ جلتے ہیں"

قطعاتِ تاریخ

(۱)

قطعۂ تاریخِ وفات لسان القوم مولانا صفی لکھنوی

ہو گئی گُل شمعِ بزمِ لکھنؤ
اُڑ گیا پروانۂ علم و عمل
لکھدو طرفہ مصرعِ سالِ وفات
ارتحالِ شاعرِ کہنہ محل

۶۹ ہجری ۱۳

(۲)

قطعۂ تاریخِ وفات علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ

فوت شُد شبیر احمدؒ حق شناس
منبعِ فضل و کمال و اجتہاد
مصرعِ سالِ اجل طرفہ بگو
انتقالِ پیکرِ تسلیم و داد

۶۹ ہجری ۱ ۱۳

(۳)

قطعہ تاریخِ وفات شاعرِ تاج علامہ سیماب اکبر آبادی

مرگِ سیماب ہو کیوں نہ غم آفریں
ہے ادب میں سب سے بڑا سانحہ
اب تقاضا عقیدت کا طرفہ یہ ہے
پڑھ دو سیمابؒ کی قبر پر فاتحہ

۱۳۵۸ فصلی

(۴)

قطعۂ تاریخِ وفات علامہ آرزو لکھنوی

اُٹھ گیا جہاں سے ایک ادیب　　　صاحبِ شعور، اہلِ کمال
مرگِ آرزو کا تو نہیں رنج　　　بجھ گیا چراغ بزمِ جلال

۱۳۵۸ فصلی

(۵)

قطعۂ تاریخِ وفات آفتابِ دکن ابوالمعانی مولنا شاد پونوی

خوابِ ہستی کی دیکھ لی تعبیر　　　گئے جنت میں با مراد ہوئے
ہو گیا قربِ اہلِ قدس نصیب　　　خُلد میں آج شادؔ شاد ہوئے

۱۳۷۰ ہجری

(۶)

قطعۂ تاریخِ وفات ادیب شہیر صاحبِ طرزِ بےنظیر ملا رموزی بھوپالی

تلاش اُن کو دُنیا میں کرنا عبث ہے　　　فلک پر ہیں وہ اب زمیں پر نہیں ہیں
تقدس فرشتوں کا حاصل ہے اُن کو　　　رموزی جمالِ بہشتِ بریں ہیں

۱۳۷۱ ہجری

⁂ باہتمام اختر حسین صدیقی منیجر علوی برقی پریس بھوپال طبع ہوئی ⁂

⁂ راقم الحروف سید ضیاء الدین خوشنویس۔ بھوپال ⁂